اسلامی احکام ومسائل

یا ایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة

اے ایمان والوں اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ

(البقرۃ آیت ۲۰۸)

اسلام کے بنیادی اور ضروری مسائل پر علمی اور

دعوتی مضامین کا بیش بہا خزانہ

بنام

اسلامی احکام ومسائل

تالیف

انیس عالم سیوانی

باهتمام: **امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ**

ناشر

زینتھ ہاسپٹل، نزد منکامیشور مندر، ڈالی گنج، لکھنؤ

نام کتاب : **اسلامی احکام ومسائل**

تالیف : انیس عالم سیوانی

حسب فرمائش : ڈاکٹر محمد عادل بریلوی، ڈائرکٹر، زینتھ ہاسپٹل لکھنؤ

اشاعت : رجب المرجب شریف ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۱۳ء

ناشر : زینتھ ہاسپٹل، نزد منکامیشور مندر، ڈالی گنج، لکھنؤ

کمپوزنگ : سیفی کمپیوٹرس، عارف آشیانہ، چوک، لکھنؤ

قیمت : ۱۵۰؍روپے

ملنے کے پتے:

☆ مکتبہ الحجاز، ۷؍رہرن پارک، چوک، لکھنؤ

☆ کتب خانہ امجدیہ مٹیا محل، دہلی

☆ دار العلوم احسن العلماء، لکھنورہ، مدار پور بازار، سیوان (بہار)

☆ مدرسہ فیضان قیام الدین شاہ کھمن پیر، چار باغ، لکھنؤ

☆ مولانا محمد محمود رضوی ناظم الجامعۃ القادریہ، پانچوں پیرن، سلطان پور

الاھداء

میں اپنی اس ابتدائی کاوش کو دنیائے اسلام کی اس عبقری شخصیت کے حضور
پیش کرنیکی سعادت حاصل کررہاہوں
جسے دنیا امام الائمہ سیدنا

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

اور

غوث الثقلین ابن الحسنین غوث اعظم

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی

اور

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی

کے نام سے جانتی ہے۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضؔا — بول بالے مری سرکاروں کے

الانتساب

سیدی وسندی حضور تاج الشریعہ فقیہ اسلام علامہ شاہ مفتی
محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی قاضی القضاۃ فی الہند

شہزادۂ حضور صدر الشریعہ، حضور محدث کبیر
حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قبلہ قادری دام فیضہ، نائب قاضی القضاۃ فی الہند

شہزادۂ غوث الثقلین حضرت
سید شاہ غیاث میاں صاحب قبلہ زیب سجادہ کالپی شریف

جن کی ذوات گرامی حق وصداقت کا روشن مینار ہیں۔

انیس عالم سیوانی

فہرست

مضامین	صفحات
نشہ حرام ہے	
تمسخراور غیبت	**۲۲۹**
طعنہ دینااور برے ناموں سے پکارنا گناہ	
مردار بھائی کا گوشت کھانا	
غیبت کرنے والے پرتوبہ لازم	
غیبت اور بہتان میں فرق	
غیبت زنا سے بدتر ہے	
چغلخور جنت میں نہیں جائے گا	
چغل خور کی سزا	

مضامین	صفحات
حیاایک فطری جوہر ہے	**۲۳۷**
نابیناصحابی	
فاطمہ زہرا کی حیاء	
حیاءاورایمان دونوں ساتھی ہیں	
بےحیائی کااثر	
اخلاق کی خوبیاں	

باسمہ تعالیٰ

حرف آغاز

زیرِ نظر کتاب بنام **اسلامی احکام ومسائل** درحقیقت چند دعوتی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے خیال خاطر احباب مرتب کیا گیا۔ ہر چند کہ اس کے مضامین اصلاحی طرز کے ہیں۔اس کے باوجود کتاب کے علمی وقار اور منطقی طرز استدلال میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، پوری کتاب قرآن و سنت اور اقوال سلف کے حوالوں سے معمور ہے۔تقریباً سال بھر پیشتر برادر دینی محترم جناب ڈاکٹر محمد عادل بریلوی (ڈائریکٹر زینتھ ہاسپٹل لکھنؤ) نے آسان لفظوں میں دینیات اور اخلاقیات کے موضوع پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی جسے عوام میں بغرض اصلاح تقسیم کیا جاسکے۔ڈاکٹر صاحب کی بات پسند آئی، انہیں کے اصرار اور بار بار کے تقاضے پر یہ کتاب تالیف ہوئی اور انہیں کے مساعی سے طبع ہوکر منظر عام پر آسکی ہے، میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ کوئی نایاب کتاب ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ مضامین چھوٹی بڑی کتابوں میں پھیلے ہوے تھے جن تک ہر عامی کی رسائی بآسانی نہیں ہوسکتی تھی۔میں نے ان میں سے اپنی ضرورت کی باتوں کو یکجا کر دیا ہے، احکام ومسائل پرانے ہیں دعوت واصلاح کا انداز مؤلف کا ہے، ممکن ہے جمع وتالیف میں کوئی علمی یا اخلاقی فروگزاشت ہوئی ہو قارئین سے درخواست ہے کہ کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنی رائے گرامی سے نوازیں۔

میں اپنے تمام محبین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو مجھ سے پیہم اصرار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی تحریری کام کروں اور کچھ لکھوں بالخصوص داماد تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد شعیب رضا صاحب، شہزادہ حضور فقیہ ملت حضرت مولانا انوار احمد امجدی صاحب قبلہ، مناظر اہلسنت علامہ عبدالمصطفیٰ حشمتی صاحب ردولوی

سربراہ اعلی دارالعلوم مخدومیہ ردولی شریف، حضرت علامہ ومولانا ابوساریہ عبداللہ العلیمی، حضرت مفتی اختر حسین قادری صاحب مفتی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی چیف ایڈیٹر پیغام رضا ممبئی، الحاج قاری محمد صابر علی رضوی چئرمین امام احمد رضا فاؤنڈیشن، نقیب اہلسنت مولانا محشر فریدی، مولانا خورشید احمد برکاتی، قاری ابرار احمد مظفر پوری، قاری محمد حنیف مشاہدی، عزیزم تاج باری، محمد علیم ایڈوکیٹ اور الحاج محمد انیس صدیقی سکریٹری درگاہ کھمّن پیر، ان حضرات کی مسلسل کرم فرمائیوں کا ہی ثمرہ ہے کہ یہ کتاب منظر عام پر آسکی اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے، اگر یہ خدمت کسی لائق ٹھہرے تو مولی تعالیٰ میرے والدین کریمین، بھائیوں، بہنوں اور اہل وعیال کے لیے ذریعہ نجات بنائے آمین بجاہ حبیبہ الکریم۔

کلمة التکریم

شہزادۂ صدرالشریعہ حضور محدث کبیر علامہ ضیاءالمصطفےٰ صاحب قبلہ قادری

نائب قاضی القضاۃ فی الہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس وقت میرے سامنے ''اسلامی احکام ومسائل'' نام کا ایک قیمتی رسالہ تاثرات کے لئے حاضر ہے۔ جسے مولانا انیس عالم سیوانی زیدمجدہ نے حالات زمانہ کی ضرورتوں کے پیش نظر تصنیف فرمایا ہے۔

یہ رسالہ وقت کے ضروری مسائل پر مشتمل ہے، اوران کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ رسالے میں جومسائل مذکور ہیں صحیح، منقح فتاویٰ ہیں، زبان شستہ، انداز بیان مؤثر ہے۔ عوام وخواص کواس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اپنے مطالعہ میں رکھنا اور ذکر کردہ مسائل پر عمل کرنا اللہ ورسول کی رضا کا مستحکم ذریعہ ہے۔ رب قدیر اسے قبول عام عطافرمائے۔

مولانا انیس عالم سیوانی زیدمجدہ ایک صاحب بصیرت عالم نبیل ہیں۔ آپ کے مزاج پر مذہبیت اوراصلاح امت کا جذبہ حاوی ہے، ہمیشہ کچھ نہ کچھ دین وسنت کے کام میں مصروف رہتے ہیں، آپ کی تحریریں دلکش، زبان پاکیزہ ہے اور انداز بیان ایسا کہ آپ کے مضامین شروع کرنے کے بعد اخیر تک پڑھنے کا جذبہ بیدار ہوجاتا ہے، اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ۔

ضیاءالمصطفےٰ قادری

۱۸-۳-۲۰۱۳

۷۸۶/۹۲

کلمة الترحیب

سندالعلماء علامہ شاہ مفتی سید شاہد علی میاں صاحب قبلہ نوری جمالی

شیخ الحدیث ومفتی الجامعۃ الاسلامیہ رامپور

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد

کتاب مستطاب ''اسلامی احکام ومسائل'' اہلسنت کے سریع القلم اور زودنویس عالم فاضل بغداد مولانا انیس عالم سیوانی زیدمجدہ کی تصنیف لطیف ہے، عجلت کے سبب مجھے کتاب کے مطالعہ کا موقع نہیں مل سکا، کتاب پریس جانے کے لئے تیار تھی۔ ایسے میں فاضل بغداد کے اصرار اور اعتماد پر جلدی جلدی میں نے چند جملے تحریر کردیا ہے۔

فاضل بغداد مولانا سیوانی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ اہلسنت کے اکابر علماء اور مشائخ سے قربت رکھتے ہیں، سنیت کے تعلق سے بہت حساس اور فعال ہیں۔ آپ کے مضامین اور تنقیدیں اکثر اخبار اور رسائل کی زینت بنا کرتے ہیں، اب آپ نے دیر ہی سے سہی تصنیفی میدان میں قدم رکھا ہے۔ مضامین اور کتاب کے اندر کیا ہے اس کا اندازہ کتاب کے نام ہی سے ہوجاتا ہے، مجھے امید ہے کہ جس طرح مولانا کے مضامین مقبول ہیں اسی طرح یہ کتاب بھی قبول عام حاصل کریگی، کتاب میں جس قسم کے مضامین کو جگہ دی گئی ہے اس قسم کے مضامین کی ہمارے یہاں بکثرت ضرورت ہے۔ کتاب اخلاقی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، اس قسم کی کتابیں اور مضامین کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے جس میں عقائد صحیحہ کے ساتھ ساتھ اعمال حسنہ کی ترغیب دی گئی ہو، میں دعا گو ہوں کہ اللہ جل جلالہ مولانا موصوف کی اس دینی کوشش کو شرف قبول عطافرمائے۔ آمین۔

فقط

سید شاہد علی رضوی جمالی غفرلہ

۷۸۶/۹۲

كلمة التقريب

مجاہدسنیت الحاج قاری محمد صابر علی رضوی

چیر مین امام احمد رضا فاؤنڈیشن لکھنؤ

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم

محبّ گرامی حضرت علامہ انیس عالم سیوانی فاضل بغداد اہلسنت و جماعت کے ایک ذی صلاحیت عالم دین ہیں۔ ایک عرصہ سے ہمارا ان کا ساتھ ہے، تقریباً آج سے بیس سال قبل جب یہ تعلیم حاصل کرنیکی غرض سے لکھنؤ آئے تھے اس زمانے سے لیکر آج تک ساتھ ہے، مولانا سیوانی اپنے گونا گوں اوصاف کے سبب لکھنؤ کی سرزمین پر ایک الگ شناخت رکھتے ہیں، علمی صلاحیت کیساتھ ساتھ اخلاق اور محبت کے دھنی ہیں، لکھنے پڑھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، ان کی زندگی کتابوں سے شروع ہوتی ہے اور کتابوں ہی میں ختم ہوتی ہے، آپ کا مطالعہ نہایت وسیع ہے، ذہن حاضر ہے، قلم سریع ہے، فکر ونظر میں گہرائی ہے، جلسوں اور کانفرنسوں کی دنیا میں ایک اچھے اور کامیاب خطیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اور درسگاہ کے ایک باوصف مدرس کیساتھ ساتھ تحریر وقلم کی دنیا میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں، مسلک اعلیٰحضرت کے بیباک سپاہی اور مذہب اہلسنت کے بے لوث خادم ہیں، مرکز اہلسنت بریلی شریف اور فکر رضا کے مخالفین کے لئے شمشیرِ برھنہ ہیں اور اہلسنت کے لئے نہایت نرم دل رکھتے ہیں۔ مولانا سیوانی کا شمار جماعت اہلسنت کے معروف اہل علم اور قلمکاروں میں ہوتا ہے، عوام وخواص میں بے حد مقبولیت حاصل ہے، بالخصوص لکھنؤ میں اہلسنت کی ترویج واشاعت میں آپ کا بڑا حصہ ہے، افراد اور ذہن سازی میں خاصہ مہارت رکھتے ہیں، اسی لئے لوگوں کو آپ سے قلبی لگاؤ ہے، سرزمینِ لکھنؤ پر آپ کو بریلی شریف کا

نمائندہ مانا جاتا ہے، اور یہ درست ہے کہ مسلک اعلیٰحضرت کی اس نفاق بھری سرزمین پر آپ بے باکانہ انداز میں نمائندگی کرتے ہیں اسی لئے تمام بدمذہبوں اور صلحکلیوں کی نظر میں خار ہیں۔

''اسلامی احکام ومسائل'' آپ کی پہلی تصنیف ہے، جسے آپ نے احباب اہلسنت بالخصوص زینتھ ہاسپٹل ڈالی گنج لکھنؤ کے ڈائیریکٹر ڈاکٹر محمد عادل بریلوی کی فرمائش پر ترتیب دیا ہے، مضامین عام فہم ہیں، جنہیں عام لوگوں کے اعتبار سے تحریر کا جامہ پہنایا گیا ہے، لیکن جو باتیں پیش کی گئی ہیں وہ سب حوالوں سے مزین ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب عوام الناس کے علاوہ طلبۂ مدارس اور ائمۂ مساجد کے لیے بھی مفید ہے، کتاب میں نکاح اور طلاق کے موضوع پر اس دور کے جدید اذہان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ الغرض یہ کہ عقائد، اعمال، اخلاق کے تمام بنیادی اور اساسی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس طرح آپ کے مضامین اخباروں اور مذہبی رسالوں میں قارئین شوق وانہماک سے پڑھتے ہیں اسی طرح اسلامی احکام ومسائل کو بھی قبولیت عامہ حاصل ہوگی۔

العبد الراجی الی رحمۃ الباری

محمد صابر علی رضوی

ادیب شہیر وقار سنیت حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی

(مدیر اعلیٰ پیغامِ رضا)

تقدیم

صوبہ بہار میں جن شہروں کو ضلعی حیثیت حاصل ہے ان مین ضلع سیوان کے کچھ مذہبی اور کچھ سیاسی امتیازات ہیں۔سیوان سارن کمشنری میں آتا ہے۔سارن کمشنری چار اضلاع چھپرہ، گوپال گنج ،سیوان اور حاجی پور پر مشتمل ہے۔اہل سارن مذہب ومسلک کے نام پر بہت جلد ہم خیال اور ہم آواز ہوجاتے ہیں ،علماء ومشائخ کی تعظیم وتوقیر ان کے خمیر میں شامل ہے،مدارس کے طلبا سے بھی انہیں جذباتی لگاؤ ہوتا ہے،مدارس،مساجد اور خانقاہوں کی تعمیر وترقی میں بھی انہیں خاصی دلچسپی ہوتی ہے،علماء ومشائخ کی قربت اور ان کی خدمت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں،بچوں کی اعلیٰ اور اخلاقی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں،دینی تعلیم وتربیت کا رجحان پہلے کم تھا،پہلے پورا سارن علماء کی قلت کا شکار تھالیکن اب شہر وقصبات میں علماء کی قابل ذکر تعداد مل جاتی ہے ،جس خاندان میں علماء ہوتے ہیں وہ خاندان خود کو بڑا خوش بخت اور ممتاز تصور کرتا ہے،اخلاق ومروت اور رواداری کی دولت سے بھی انہیں وافر حصہ ملا ہے وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ بڑی تواضع سے پیش آتے ہیں۔

سیاسی اعتبار سے انہیں یوں امتیاز حاصل ہے کہ ہندوستان جب انگریزی تسلط سے آزاد ہوا

تو ملک کے پہلے صدر جمہوریہ کا تعلق بھی سیوان ہی کی سرزمین سے تھا،مسلم پرسنل لا میں جب حکومت وقت بیجا مداخلت پر آمادہ ہوئی تو حکومت وقت کو مسلم پرسنل لا میں مداخلت سے روکنے کے لئے اہل سنت کے پلیٹ فارم سے جو تاریخ ساز مسلم پرسنل لا کانفرنس ہوئی اس کے لئے بھی سیوان سارن ہی کی سرزمین کا انتخاب عمل میں آیا۔اس کانفرنس سے ایوان حکومت میں زلزلہ برپا ہوگیا اور حکومت کی ساری پلاننگ زیروزبر ہوکر رہ گئی۔

سیوان کے حوالے سے معمار ملت علامہ شبیہ القادری بانی غوث الوریٰ عربک کالج لکھتے ہیں۔

''اہل سنت کے مرکزی شہروں میں سیوان کا نام بھی آتا ہے،جماعتی نقطۂ نگاہ سے سیوان کی روشن تاریخ ہے،اگر اسے ترتیب کے مراحل سے گذارا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے،یہاں کے باشندے فطرتاً مذہب پرست اور علماء نواز واقع ہوئے ہیں،اکابرین اہل سنت کا ہمیشہ یہاں آنا جانا رہا ہے ،یہاں کے لوگوں کی آنکھیں علماء کے لئے ہمشہ فرش راہ رہا کرتی ہیں،پہلے تو مدارس ومساجد کی تعداد بہت کم تھی لیکن علماء کے قدموں کی برکتوں سے اب پورے سارن میں مدارس ومساجد کا ایک جال سا بچھ گیا ہے اور بحمدہ تعالیٰ مشربی اختلافات کے باوجود اداروں کی اکثریت مسلک اعلیٰ حضرت کی پابند ہے،،۔(پیغام رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸ صفحہ ۲۲)

ہر انسان میں زمینی اور علاقائی اثرات ہوتے ہیں،بریلی شریف کی زبان بڑی اچھی ہے اور اہل بریلی کی مہمان نوازی بھی بڑی شہرت رکھتی ہے،حضور مفتیٔ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال اور آپ کے چہلم کے وقت پورا شہر بریلی مہمان خانہ بنا ہوا تھا،یہاں تک کہ دوسرے برادران وطن نے بھی بیرونی مہمانوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے تھے،بریلی شریف سے نکل کر آپ دلی چلے جائیں،اہل دلی کی زبان انتہائی سخت ہے اور اخلاقی اعتبار سے بھی اہل دلی انتہائی پس ماندہ ہیں۔ایک بار ایک شخص سے راقم الحروف نے پوچھا کہ مجھے مدرسہ حسین بخش جانا ہے آپ میری

رہنمائی کر سکتے ہیں اس نے جواب دیا کہ کیا میں تمہاری رہنمائی کے لئے آفس کھول کر بیٹھا ہوں جبکہ مدرسہ حسین بخش بالکل اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔اہل مہاراشٹر بھی اخلاق کے بڑے دھنی ہوتے ہیں،اہل سارن بھی اخلاق ومروت کے پیکر ہوتے ہیں۔مذہب ومسلک کے ساتھ مربوط رہنا ان کی فطرت کا حصہ ہے،حضرت مولانا انیس عالم کا تعلق بھی سیوان کی مٹی سے ہے،ان میں سارن کی مٹی کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں،ان کے علم میں جامعیت،مطالعہ میں گہرائی اور اخلاق میں بڑی وسعت ہے،ذاتی مفادات کی خاطر انہوں نے مذہب ومسلک کا کبھی سودا نہیں کیا اور مذہب ومسلک کا سودا کرنے والوں سے کبھی سمجھوتا بھی نہیں کیا،ان کے ظاہر وباطن میں جو شفافیت ہے ان کے ہم عصروں میں بہت کم دیکھنے کو ملی ہے،ان کی گفتگو کا ہر پہلو علمی رنگ وآہنگ لئے ہوتا ہے،حدیث پاک کے مطابق اپنے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت ان کی عادت ہے،ان کی باتیں اتنی موثر ہوتی ہیں کہ سامع وقاری دونوں پہ محویت طاری ہوجاتی ہے۔زندگی کو بامعنی بنانے کے لئے ان کے پاس بہت ساری کشادہ راہیں ہیں لیکن انہوں نے دعوت وتبلیغ کو اپنی حیات کا ترجیحی عنوان بنا رکھا ہے۔

حضرت مولانا محمد انیس عالم صاحب کی ولادت ۱۹۷۷ء میں لکھنورا،مدار پور بازار،سیوان کے ایک اعلیٰ،مہذب اور دین دار گھرانے میں ہوئی،ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پہ ہوئی،جب مکتب میں جانے کی عمر ہوئی تو اپنے گاؤں کے قریب جامع العلوم جلالپور میں داخلہ لیا،فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں وہاں پڑھیں،جب شعور میں مزید پختگی آئی تو کچھ سالوں کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارکپور آگئے،جامعہ اشرفیہ میں چندسال گزارنے کے بعد دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی سے اعزازی سندِ عالمیت حاصل کی اور اسی سند پہ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے بغداد معلیٰ کا سفر کیا اور جامعہ صدام علوم اسلامیہ کے کلیۃ اللغۃ العربیہ وعلوم قرآن میں داخلہ لیا،امریکہ اور عراق کے درمیان جب کشیدگی بڑھی اور عراق کے داخلی حالات دن بدن خراب ہونے لگے تو مجبوراً ہندوستان واپس آگئے،پھر یہاں لکھنؤ یونیورسٹی کے ممتاز پی جی کالج سے گریجویشن کیا۔دعوت وتبلیغ کے لئے لکھنؤ کی سرزمین کا انتخاب کیا،لکھنؤ کی سرزمین پر اہل سنت وجماعت کے پرجوش نمائندوں میں آپ کی حیثیت بہت واضح اور

مضبوط ہے،تاحال اپنے جماعتی تشخص کے ساتھ لکھنؤ میں جماعت کی بھرپور نمائندگی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

تحریر،تدریس اور تقریر دعوت وتبلیغ کے تین اہم شعبے ہیں،تاریخ میں ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جنہوں نے مذکورہ تینوں شعبوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوسکے ہوں،ویسے دنیا کا کوئی بھی فن بغیر ریاضت کے حاصل نہیں ہوتا،لیکن تحریر،تدریس اور تقریر ایسے فنون ہیں جو مستقل ریاضت چاہتے ہیں،کثرت مطالعہ سے ایک محرر کی تحریر میں جامعیت آتی ہے،تدریس کا فن بھی مستقل مطالعہ چاہتا ہے اور تقریر بھی مشق وریاضت میں تسلسل چاہتی ہے۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی فن میں ماہر نہیں ہوتا اس وقت تک وہ احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا،فن ہی انسان کو مکرم،محترم اور موقر بناتا ہے،ایک محرر تحریر کی بنیاد پر،ایک مدرس تدریس کی بنیاد پر اور ایک مقرر تقریر کی بنیاد پر انسانی نگاہوں میں محترم ہوتا ہے اور اپنے فن میں جو جتنا ماہر ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ محترم سمجھا جاتا ہے۔بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں کسی ایک فن میں مہارت ہوتی ہے مگر بعض ایسے افراد ہوتے ہیں جنہیں بکثرت فنون میں درجۂ کمال حاصل ہوتا ہے جنہیں بکثرت فنون میں کمال حاصل ہوتا ہے ان کی قدر ومنزلت کا دائرہ بھی بہت وسیع ہوتا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مذکورہ شعر سے جہاں ایک فرد کی علمیت،قابلیت اور فنی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ شعر زمانے کے مزاج کی بھی نمائندگی کرتا ہے کہ جس شخص کو ملک سخن میں شاہی حاصل ہوگی وہ شخص جس رہگذر سے گذرے گا اس کی عظمتوں کے نقوش ابھرتے چلے جائیں گے اور عظمتیں جس کی دہلیز پہ کھڑی ہوتی ہیں اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ

جہاں رہے گا وہیں روشنی بکھیرے گا
چراغ کا کوئی اپنا مکاں نہیں ہوتا

مذکورہ دونوں اشعار سے کسی فرد واحد کی عظمتوں کا اعتراف واظہار مقصود نہیں ہے بلکہ زمانے کے مزاج کو بتانا مقصود ہے۔یعنی کوئی بھی شخص فن ہی کی بنیاد پر پہچانا جاتا ہے اورفن ہی انسان کا شناخت نامہ ہوتا ہے، جوشخص بےفن ہوتا ہےاس کی قربت تو دور کی بات ہے کوئی اس کے قریب بھی نہیں ہوتا۔

شخصیت اورفن دو جداگانہ چیزیں ہیں لیکن بغیر شخصیت کےفن کا وجود امر محال ہے، جب شخصیت نہ ہوگی فن بھی نہ ہوگا،کبھی شخصیت اورفن ایک دوسرے کا آئینہ ہوتے ہیں،فن سے شخصیت کا تعارف بآسانی ہوجاتا ہےیعنی فن شخصیت کی تفہیم میں معاون ہوتا ہےلیکن کبھی شخصیت اورفن میں بہت فاصلے ہوتے ہیں ،یعنی فن کار جو کہہ رہا ہے اس کی ذات میں وہ چیزیں دور دورتک دکھائی نہیں دیتیں،عصرحاضر میں یہ وبا زیادہ عام ہوتی جارہی ہے یہی وجہ ہے کہ فن اپنی اثریت کھوتے جارہے ہیں اورفن کار کی توقیر کا جذبہ دلوں سے نکلتا جارہا ہےاسی لئےفن کے ساتھ شخصیت کوقریب سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے،جب فن اورشخصیت دونوں نگاہوں کے سامنے ہوں تو فن کار کے حوالے سے رائے قائم کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا انیس عالم صاحب کی شخصیت اورفن دونوں میرے سامنے ہیں،ان سے تعلقات کا دائرہ ایک دہائی سے زائد پرمحیط ہے،ان سے خلوت نشینی بھی رہی ہے اورجلوت نشینی بھی،ان کے اقوال بھی سنے ہیں اورافعال بھی دیکھے ہیں،ان کی ذات میں کئی فنون جمع ہیں،ان میں ایک کہنہ مشق محرر،ایک ماہر مدرس،ایک مشاق مقرراورایک دردمند داعی اورمبلغ کےاوصاف بدرجۂ کمال پائے جاتے ہیں۔ملک کی مرکزی درسگاہوں سےان کی علمی پیاس نہیں بجھی تو انہوں نے بغداد معلیٰ کا سفرکیا اورصدام یونیورسٹی میں کچھ دنوں تک زیرتعلیم رہے،ان کا علمی وعملی دونوں مقام بلند ہے،انہوں نے اپنے کسی فن کو پیشہ وارانہ انداز میں برتنے کی کبھی کوشش نہیں کی ہے۔آج حالات اور ذاتی مفادات

کے طوفان مین بڑی بڑی درسگاہیں ،خانقاہیں اورشخصیات بہتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں لیکن مولانا زراندوزی اورمصلحت کوشی کے ماحول میں اپنے تقدس کی چادرکو ہرطرح کے داغ،دھبوں سے بچائے ہوئے ہیں،ان کی شخصیت اورفن میں اب تک فاصلے کی کوئی لکیرنہیں دیکھی گئی ہے،ان کی شخصیت اور فن دونوں،ہم آغوش دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت مولانا انیس عالم صاحب عربی زبان وادب اوراردوزبان وادب کے اسکالر ہیں، ہردوزبانوں کے نشیب وفراز سے خوب اچھی واقفیت رکھتے ہیں،نوجوان علماء میں ان کا قدکئی جہتوں سے نمایاں ہے،اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اورجذبوں کی پاکیزگی کے باعث اکابر کی نگاہوں میں بھی محبوب سمجھے جاتے ہیں،کچھ سالوں پہلے جو اسلاف بیزاراورمسلک فروش تحریک اٹھی تھی اس تحریک کا سرکچلنے میں انہوں نے اہم رول ادا کیا ہےاورآج بھی محاذ سنبھالے ہوئے ہیں،احقاق حق اورابطال باطل ان کامحبوب ترین مشغلہ ہے،ان کی تحریری،تدریسی اورتقریری صلاحیتوں کا ان کے مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں،ملک کے اکثر معیاری اخبار ورسائل میں ان کے مقالات شائع ہوتے ہیں،ان کے قارئین کا حلقہ وسعت رکھتا ہے،اس دور کا سب سے خطرناک فتنہ صلح کلیت ہے،اس فتنہ کے خلاف بھی وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ مصروف عمل ہیں،جماعت اہل سنت کو ہمیشہ ایسے حق گو،حق پسند اورحق نگرعلماء پہ ناز رہا ہے،حق دار ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے نام کے ساتھ القاب وآداب کو کبھی پسند نہیں کیا،وہ ہمیشہ اس بات کے شدت سے قائل رہے کہ

میرے اجداد قائل ہی نہیں تھے خود پرستی کے
کہ عالم ہوکے بھی اپنے کو علامہ نہیں لکھا

انہوں نےعلمی حلقوں میں اپنا مقام خود بنایا ہے،وہ کسی کا احسان اٹھانے کے لئے خودکو بڑی مشکلوں سے تیارکرپاتے ہیں،اس سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ

امیرشہر کی ہمدردیوں سے بچ کے رہو
یہ سر سے بوجھ نہیں سراتار لیتا ہے

جن سے ملتے ہوئے توہین ہو خودداری کی
ایسے بےفیض امیروں کی طرف کیا دیکھیں

حضرت مولانا انیس عالم صاحب کی تصنیف لطیف ''اسلامی احکام ومسائل،، حالات وقت اورضرورت کے تحت لکھے گئے ان کے مقالات کا مجموعہ ہے، دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلامی ذخیرہ کتب میں سب سے زیادہ کتابیں اسلامی احکام ومسائل کے حوالے سے ملتی ہیں۔ایسا اس لئے ہے کہ ہرمسلمان مردوعورت پر بقدرضرورت اسلامی احکام ومسائل کا جاننا فرض ہے،اسلامی احکام ومسائل کو جانے بغیر اسلام کے کسی بھی رکن پہ اس کی شرائط کے ساتھ عمل بہت مشکل ہے،اس لئے اسلام نے طلب علم کوفرض قرار دیا ہے۔علم دین کے بغیر ایک انسان کو اپنی ذات کا عرفان اور خدا کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی،یہی وجہ ہے کہ مصلحین امت نے ہر زمانے میں اسلامی احکام ومسائل کی ترویج،تشہیر اور تبلیغ پہ خصوصی توجہ دی ہے،اسلامی احکام ومسائل کی تفہیم واشاعت میں بعض مصنفین نے زبان،مزاج اور ماحول کا خاص خیال رکھا ہے،بنگال میں عربی اوراردو میں آپ دین کی دعوت کریں تو آپ کی تبلیغ موثر نہیں ہوگی،بنگال میں اپنی تبلیغ موثر بنانے کے لئے بنگالی زبان ومزاج کا سہارا لینا ہوگا،بچوں کی تربیت میں اردوئے معلیٰ کا استعمال بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہوگا۔بچوں کی تربیت ان کی عمراور ذہن کے مطابق زبان میں ہوسکتی ہے،تبلیغ اس وقت تک پورے طور پر موثر نہیں ہوسکتی جب تک زبان،علاقہ،عمراور ماحول کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے،جدید ایجادات وتحقیقات نے انسانی عقل کو اپنے حصار میں کرلیا ہے،پہلے لوگ چٹائی پر سوتے تھے اور اساتذہ درخت کے سائے میں چٹائی پر بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے،ان کی تعلیم بڑی موثر ہوتی تھی،درخت کے سائے میں پڑھنے والوں میں دین بھی تھا اور دین سے محبت بھی تھی،لیکن اب حالات بالکل بدل گئے ہیں جو جتنا ترقی یافتہ ہے دین سے اتنا ہی دور ہے،ملک میں بہت سارے خاندان ایسے ہیں جو صرف نام کی حد تک مسلمان ہیں،انہیں اسلامی مکتب کی ہوا تک نہیں لگی ہے،اسلامی مکاتب میں بچوں

کو بھیجنا وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں،انگریزی تعلیم وتہذیب سے انہیں جنون کی حد تک محبت ہے۔ایسی صورت میں مصلحین امت کی ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔جو علماء اپنے دلوں میں مذہب و مسلک کا سچا درد رکھتے ہیں ان کی نگاہیں عوامی زندگی کے ہر پہلو پر ہوتی ہیں اور وہ عوامی اصلاحات کے نت نئے طریقے وضع کرتے رہتے ہیں۔کم خواندہ،انتہائی مصروف افراد اور عصری درس گاہوں میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے وہ اسلامیات سے متعلق مسائل کو سہل سے سہل تر زبانوں میں منتقل کرتے رہتے ہیں،ہر وقت ان کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے قلوب اسلامیات ودینیات کے نور سے معمور ہوں اور ہر سمت اسلامی تہذیب وتمدن کی فصلیں لہلہاتی رہیں۔حضرت مولانا انیس عالم صاحب کا شمار بھی انہیں اصلاح پسند اور درد مند علماء میں ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب''اسلامی احکام ومسائل،،کے مطالعہ کے دوران جگہ جگہ ان کے اس وصف کو آپ محسوس کریں گے،انہوں نے عمر کی ابھی بہت کم بہاریں دیکھی ہیں پھر بھی وہ ملک کی بہت ساری دینی،ملی اور سماجی تحریکات سے وابستہ ہیں۔ملی تحریکات سے ان کی وابستگی بھی ان کے دینی درد کی نمائندگی کرتی ہے،انہوں نے اپنے علمی کارناموں اور ملی خدمات سے اپنے بڑوں کو بھی متاثر کیا ہے،تاج الشریعہ،وارث علوم اعلیٰ حضرت،جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خاں ازہری سے انہیں سند اجازت وخلافت حاصل ہے۔سلطان الاساتذہ،محدث کبیر حضرت علامہ الشاہ مفتی ضیاء المصطفےٰ قادری سند حدیث وفقہ سے نوازا ہے،جماعت اہل سنت کی دوسری اکابر شخصیات کی نوازشات بھی ان کے شریک حال رہتی ہیں،ان کا ظاہر وباطن بڑا پاکیزہ ہے،وہ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں،ان کی تحریر اور تقریر میں بڑی یکسانیت ہے،ان کے تقریری نمونے فی الوقت پیش کرنا مشکل ہے ذیل میں ان کے تحریری نمونے ملاحظہ کریں۔

'اس کے برخلاف دیوبندیوں کے یہاں زبردست تضادات پائے جاتے ہیں،بےسوچے،سمجھے ان کے لکھنے اور بولنے نے یہ موقع فراہم کیا' کہ ''زلزلہ،

زیروزبر اورخون کے آنسو‘ جیسی اہم کتابیں دیوبندی جماعت کے خلاف وجود میں
آئیں،آج محسوس ہورہا ہے کہ تقریباً تیس سالوں پیشتر لکھی جانے والی زلزلہ،زیرو
زبر اورخون کے آنسو نامی کتب کا ابھی تک جماعت دیو بند جوکماحقہ جواب نہیں
دے سکی تھی شاید اب وہ اہل سنت کے خلاف دوسرا ’’زلزلہ‘‘ زیروزبر اورخون کے
آنسو لکھ سکے اوراگر اس طرح کی کتب دیوبندیوں کی جانب سے شائع ہوتی ہیں
تو وہ اہل سنت کے لئے ’’البریلویہ‘‘ جیسی کتاب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوں
گی اور دیوبندی ’’زلزلہ‘‘ کے لئے مواد کی فراہمی جام نور اوراپنی ہی جماعت کے
بہت زیادہ پڑھے لکھے ادیب،صحافی اورمحققین کرائیں گے،کل تک جولوگ فضائل
اعلیٰ حضرت لکھتے اور بولتے نہیں تھکتے تھے آج وہ اعلیٰ حضرت میں کمیاں تلاش کر
نے کے لئے بڑے سنجیدہ ہوگئے ہیں۔انہیں شاید یہ لگنے لگا ہے کہ یہ کارڈ اب زیادہ
دن استعمال کرنے کے قابل نہیں رہا،یہ بڑے باہوش اورشعور والے لوگ ہیں،
درد بانٹتے ہیں دوا کے نام پر،خوبصورت لفظوں کا استعمال،خفیف درجہ کی تنقیدیں،گا
لیاں دیتے ہیں دعا کہہ کر،غم دیتے ہیں مگر آہ کرنے سے منع کرتے ہیں،ستم ڈھا
تے ہیں اورخود استغاثہ بھی کرتے ہیں، غالباً اسی لئے کسی نے کہا تھا:

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا جو قدم راہ پر تھے

ابھی دانشور حضرات جن لفظوں کے تانے بانے بن رہے ہیں! خدا
کرے یہ انہیں میں الجھے رہیں۔اگر اعلیٰ حضرت سے فرصت پائے تو پھر کہیں یہ
نہ مشورہ دیدیں کہ ہم قادری نہ کہیں،چشتی نہ کہیں،اشرفی اوررضوی نہ کہیں،حنفی،
شافعی نہ کہیں اس لئے کہ ہم سب اہل قبلہ اورمسلمان ہیں،بس صرف مسلمان
کہیں تاکہ عمومیت برقرار رہے۔مشورہ کیسا جو صفائی دینے کی ضرورت

پڑجائے،مشورہ ضروری امر کے لئے دیتے جس میں ملت کے احساسات شامل
ہوتے،لیکن جنابوں کا مشورہ کہ یہاں سے وہاں تک تصدیقات وتقریظات کی
ضرورت پڑگئی اورکتنا خیال ہے اپنے کالم نویسوں کا کہ حمایت میں آسماں سے
زمیں تک ایک کردیا اوربعض لوگوں نے توصرف تائید ہی نہیں فرمائی بلکہ پیٹھ بھی
تھپتھپائی کہ اس طرح کے آراء وخیالات مستقل جاری رہیں۔ایسا لگا کہ جیسے کو
ئی گروہ اس تاک میں پہلے سے بیٹھا تھا کہ بریلی،اعلیٰ حضرت اوران کے طریقو
ں پر چلنے والوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے،لیکن لگ رہا ہے کہ برسوں
کے سجائے خواب فی الحال شرمندۂ تعبیر نہیں ہوں گے۔پردہ کے پیچھے بیٹھ کر
پروگرام بنانے والوں اورمضمون تیار کرنے والوں کو کچھ اورانتظار کرنا ہوگا،ہمیں
قطعاً نہ ان تحقیقات کی ضرورت ہے،نہ ایسے دانشورں،ادیبوں اورنقادوں کی جو
ہمیں اپنے اسلاف سے دور لے جارہے ہوں اوراس جماعت کو خانہ درخانہ
تقسیم کررہے ہوں،اس جماعت کو آج بھی اس اتحاد کی ضرورت ہے جوحضور
مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دور میں تھا،پوری ملت ایک جھنڈے کے تلے
تھی،ہمارا فتوئی ایک تھا اورتحقیقات بھی ایک تھیں۔لیکن آج کے خودساختہ
محققین اپنے کو کسی بھی طرح امام اعظم اورامام شافعی سے کم نہیں سمجھتے۔

جب ہم جامعہ صدام،علوم اسلامیہ بغداد کے کلیۃ اللغۃ العربیہ وعلوم القرآن
کے دوسرے سال کے طالب علم تھے،خوش قسمتی سے مرکزی خانقاہ اشرفیہ جائس
کے سجادہ نشین فاضل جلیل حضرت مولانا سید سلمان اشرف جائسی صاحب بھی

رفیق وہم درس تھے،ایک دفعہ عرب شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک لکچرر نے حضرت سیدنا حسان بن ثابت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ حسان بن ثابت کا شاعرانہ مقام اسلام لانے کے بعد کم ہوا، غالبًا وہ حضرت حسان کا مقابلہ امراءالقیس اور عنترہ بن شداد جیسے شعراء سے کررہے تھے یا پھر وہ شاعری جو زمانۂ جاہلیت میں کہی گئی اس کا مقابلہ حالت اسلام میں لکھی گئی شاعری سے کررہے تھے، وہ ہمارے استاذ تھے اس لئے ان کی علمیت اور ادبیت پہ کیا کلام؟ مگر مجھے آج بھی یاد ہے مولانا سید سلمان اشرف جائسی صاحب کا وہ جملہ جیسے ہی کلاس ختم ہوا۔ کہا کہ اس شاعری اور ادب کو لیکر ہم کیا کریں گے جو ہمیں صحابہ کی عزت وحرمت کی پاسداری سے روک دے، کہنے لگے کہ اگر ادب یہ ہے تو پھر بے ادبی کیا ہے، علم اگر اس کا نام ہے تو جہالت کسے کہتے ہیں، مولانا کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی کہ علم تو بزرگوں سے قریب کرتا ہے، علم روشنی ہے جو نفاق کے اندھیروں کو کافور کرتا ہے نہ کہ منزل کے متلاشیوں کو ظلمت کے سمندر میں ڈال دیتا ہے۔

ہمیں علم بھی چاہئیے ،ادب بھی چاہئیے ،صحافت بھی چاہئیے مگر اپنوں سے دور ہوکر نہیں ،اسی طرح ایک مرتبہ حافظ احمد علی علوی القادری منیجر مدرسہ تیغیہ انوارالعلوم ماری پور مظفر پور کہنے لگے کہ علم جب بڑھتا ہے تو بھٹکنے کے امکانات قوی ہوجاتے ہیں ۔فرمانے لگے ابوالکلام آزاد، اشرف علی تھانوی اور سر سید یہ تھوڑے پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے یہ بہت پڑھے لکھے لوگ تھے لیکن انہوں نے صرف اپنے علم پر اعتماد کیا تو ان کے علم نے انہیں گمراہ کردیا اور اعلیٰ حضرت جیسے باکمال اعلم وعبقری نے رحمت خداوندی اور محبت سرور کونین پر بھروسہ کیا اس

لئے وہ اہل ایمان کی جان اور اسلام کی شان بن گئے، اللہ تعالیٰ مدح خوان رضا کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور ہمارے قلمکاروں اور ادیبوں کو ان کا حق عطا فرمائے آمین۔ (پیغام رضا اپریل تا جون ۲۰۰۸)

اسلامی احکام ومسائل سے تحریری نمونے پیش کرنے سے ہم نے قصداً گریز کیا ہے اس لئے کہ نمونے کے طور پر پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ زیر نظر کتاب ''اسلامی احکام ومسائل،، اپنے موضوع پہ بڑی اہم کتاب ہے، یہ موضوع نیا نہیں ہے لیکن گفتگو کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس میں جدت، ندرت اور عام قاری کا بہر حال خیال رکھا گیا ہے ۔عصر حاضر میں صاحب علم مصنف بڑی آسانی سے مل جاتا ہے مگر باذوق قاری بڑی مشکلوں سے دستیاب ہوتا ہے، کتابیں لکھنے والے زیادہ ہیں پڑھنے والے کم ہیں، وہ مصنف خوش بخت سمجھا جاتا ہے جس کے قارئین کا حلقہ وسعت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا انیس عالم صاحب چونکہ اکثر اخبار ورسائل میں چھپتے رہتے ہیں اور کہنہ مشق خطبا میں بھی شمار کئے جاتے ہیں، ان کے انداز تحریر وتقریر سے ایک بڑا حلقہ خوب اچھی طرح واقف ہے ، ملک میں ان کے سامعین اور قارئین بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اس لئے مجھے امید ہے کہ مولانا موصوف کی یہ کتاب عوام وخواص میں خاطر خواہ قبولیت حاصل کرے گی۔

کتاب کا آغاز فضیلت علم سے ہوا ہے، اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں میری نظر سے گذری ہیں کسی کا آغاز فضیلت علم سے نہیں دیکھا، چونکہ علم دین کے بغیر انسان پہ دین کی کوئی بھی راہ کشادہ نہیں ہوسکتی، یہاں تک کہ انسان کو اپنی ذات کا عرفان بھی نہیں ہوسکتا اور جسے اپنی ذات کا عرفان نہیں ہوگا اس کو خدا کی معرفت بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اسلام نے حصول علم پر بہت زیادہ زور دیا ہے، قرآن حکیم کی اولین آیت علم ہی کے حوالے سے نازل ہوئی ہے، فضیلت علم سے کتاب کا آغاز کرکے مولانا نے سنت الہیہ پہ عمل کیا ہے، دینی احکام ومسائل کی تفہیم کے لئے علم دین کا ہونا اشد ضروری ہے، جس پر علم کی راہیں کشادہ ہوں گی دینی مسائل سے کما حقہ وہی فیض اٹھا سکتا ہے۔ جاہل شخص خدا کی عبادت کی لذتوں سے کبھی آشنا نہیں ہوسکتا، ارکان اسلام کی ادائیگی کے لئے بھی قدم قدم

پرعلم دین کی ضرورت پیش آتی ہے،مسلمانوں کی دین سے دوری کا اہم سبب علم دین کا فقدان ہے،ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک علم انسان کی رہنمائی کرتا ہے،کتاب جن عناوین پر مشتمل ہے وہ ایک مسلمان کو اکثر بلکہ قدم قدم پر پیش آنے والے عناوین ہیں۔ذیل میں عناوین کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(۱)فضیلت علم(۲)اسلامی عقائد(۳)اسلام ہی سچا دین ہے، سب سے افضل نماز ہے، (۴) زکوٰۃ کا حکم (۵) رمضان کے تیس روزوں کی حکمت (۶)رمضان و جمعۃ الوداع (۷)حج کا بیان(۸)فضائل مدینہ منورہ(۹)شب قدر اور اس کے فضائل(۱۰)قربانی قرآن وسنت کے آئینے میں(۱۱)اسلام اور مسئلہ شفاعت(۱۲)محبت رسول(۱۳)حب نبی کی ضرورت(۱۴)فضائل درود شریف(۱۵)محبت اہل بیت(۱۶)صحابۂ کرام کی محبت وتعظیم(۱۷)ماں باپ کی فرماں برداری(۱۸)اسلام میں حلال روزی(۱۹)تزکیۂ نفس کا قرآنی مفہوم(۲۰)اللہ کو توبہ کرنے والے بندے پسند ہیں(۲۱)عورتوں کے حقوق(۲۲)مطالبۂ جہیز ایک وبا ہے(۲۳) طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے(۲۴)جوا اور شراب کی برائیاں(۲۵)تمسخر اور غیبت(۲۶)حیا ایک فطری جوہر ہے۔

کتاب کے مذکورہ عناوین سے کتاب کی ضرورت،اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے،اس انداز میں اس طرح کی کتابوں کی بڑے پیمانے پر تقسیم،تشہیر اور ترویج کی ضرورت ہے،کتابوں کی تقسیم میں سب سے بڑی دشواری علماء کا عدم تعاون ہے الا ماشاءاللہ،عصر حاضر میں دینی کتابوں سے علماء کی بے توجہی تشویش ناک ہے،جس طرح زیورات صنف نازک کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں اسی طرح کتابیں علماء کے حسن ووقار میں اضافہ کرتی ہیں،ایک فوجی آلات جنگ کے بغیر محاذ جنگ پہ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا،علماء کتابوں کے بغیر اسلام کے خلاف اٹھنے والی طاقتوں کا دفاع نہیں کرسکتے،کتب ورسائل سے علماء دلچسپی لینے لگیں تو کوئی بھی کتاب مصنف کے گھر میں ذخیرے کے طور پر رکھی نہیں رہ سکتی اور کوئی بھی رسالہ یا اخبار نزاعی کیفیت کا شکار نہیں ہوسکتا،تاجران کتب سے الگ ہوکر اہل سنت کے مصنفین کی جو کتابیں آتی ہیں ان کی اشاعت میں کاروباری ذہنیت شامل نہیں ہوتی۔تصنیف سے پرنٹنگ تک کی منزلیں کتنی صبر آزما،وقت طلب ہوتی ہیں اس کا صحیح

اندازہ انہیں کو ہوگا جو اس راہ سے گذر چکے ہیں۔کتاب کی طباعت کے بعد مصنف برسوں کتاب کا جنازہ اپنے کاندھوں پہ لئے پھرتا ہے،ہم جلسوں اور کانفرنسوں پہ بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں لیکن تحریر پہ ایک پیسہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے،جبکہ تقریر کا اثر دیرپا نہیں ہوتا مگر تحریر کا اثر دیرپا ہوتا ہے،کوئی بھی جماعت یا تحریک لیٹریچر کے بغیر زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتی،اہل سنت کا سرمایہ دارطبقہ نذرونیاز،چادروگاگر اور مزارات کی آرائش وزیبائش پہ پیسے پانی کی طرح بہاتا ہے لیکن جب ان سے کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے گفتگو کی جاتی ہے تو طرح طرح کے بہانے بناتا ہے،جو علماء قلم کے ذریعہ دینی قدروں کے فروغ میں مصروف ہیں ہمیں ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرنی چاہئیے،علماء کے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی،یہ ایسا اعزاز ہے جسے دنیا کا کوئی شخص بڑے سے بڑے عمل کے ذریعہ بھی حاصل نہیں کرسکتا۔دینی قدریں کتابوں سے ہی زندہ وتوانا رہ سکتی ہے،بیتاب ذہنوں کو کتابوں ہی سے تسکین مل سکتی ہے،کتابوں میں دعوے بھی ہوتے ہیں اور دلیلیں بھی۔

ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں دونوں ہوتی ہیں۔حضرت مولانا محمد انیس عالم صاحب میں بھی جہاں خوبیاں بہت ہیں وہیں چند خامیاں بھی ہیں،ان کی خوبیوں کی ایک مختصر فہرست دیکھئیے،انہوں نے اپنے مذہبی اور جماعتی تشخص کو کبھی میلا نہیں ہونے دیا،انہوں نے اپنے مشربی تقدس کو کبھی داغدار نہیں کیا،انہوں نے احقاق حق وابطال باطل میں کبھی کسی کی رعایت نہیں کی،حق کے اظہار میں کبھی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوئے،زبان وقلم کے دھنی ہیں،ان کی تحریر وتقریر دونوں دلائل وبراہین سے مزین ہوتی ہیں،انہوں نے اپنے ضمیر کا کبھی سودا نہیں کیا،ان کے سیاسی شعور میں بڑی پختگی پائی جاتی ہے،انہوں نے سیاست کا ہمیشہ مذہب کے لئے استعمال کیا ہے،وہ جو بات کہتے ہیں بہت سوچ سمجھ کر کہتے ہیں،مذہبی قدروں کے فروغ میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں،اپنے بڑوں کا حددرجہ احترام کرتے ہیں اور اپنے چھوٹوں کے لئے بڑے شفیق ہیں،ان کے ظاہر وباطن میں فاصلہ نہیں ہے جو باتیں وہ خلوت میں کہتے ہیں وہی جلوت میں کہتے ہیں،مخالفین کی نظر میں ان کی خامیوں میں سب

سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ جہاں جاتے ہیں فکر رضا کے ساتھ جاتے ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہیں ہوتے، جب بعض عاقبت نا اندیشوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کو مشکوک بنانے کی ناپاک کوششیں کیں تو انہوں نے ان کا انتہائی منصفانہ تعاقب کیا اور ان کے ناپاک عزائم کو کسی بھی جہت سے کامیاب نہیں ہونے دیا، آج مخالفین مسلک اعلیٰ حضرت جنون کے شکار ہوگئے ہیں، وہ اپنی جنونی کیفیت کو چھپانے کے لئے کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے سپاہی اپنی کمین گاہوں میں روپوش ہوگئے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا کوئی بھی سپاہی کمین گاہوں میں کبھی روپوش نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ محاذ جنگ پہ ہوتا ہے اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتا ہے، مجھے امید ہے کہ جب تک زمین پر حضرت مولانا انیس عالم صاحب جیسے لوگ رہیں گے اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اسلاف کی عظمتوں سے الجھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

حضرت مولانا انیس عالم صاحب اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعے دینی قدروں کے فروغ میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ''اسلامی احکام ومسائل،، ان کی باضابطہ پہلی کتاب ہے، انہوں نے درجنوں سلگتے ہوئے موضوعات پر علمی، تحقیقی اور معلوماتی مقالات لکھے ہیں۔ وہ سارے مقالات ترتیب کی منزلوں میں ہیں، جلد ہی کتابی شکل میں ان کی اشاعت ہوگی۔ اسلامی موضوعات پہ ان کا یہ علمی کارنامہ انہیں علمی اور مذہبی حلقوں میں برسوں زندہ رکھے گا، وہ پوری جماعت کے طرف سے بے پناہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ملی اور جماعتی درد سے آشنا افراد اس کتاب کو خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دیں اور اس کی اشاعت میں ہر طرح کا تعاون کریں تاکہ مولانا موصوف کے حوصلوں کو توانائی ملے اور وہ تاحیات اس طرح کے علمی، تحقیقی اور معلوماتی کارناموں سے اہل سنت کے تحریری سرمائے میں اضافہ کرتے رہیں، ہمیں ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ رب کائنات اپنے حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں آفات ارضی وسماوی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ان کے علم وعمل میں بے پناہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

سگ بارگاہ رضا

ابوالعاکف محمد رحمت اللہ صدیقی ممبئی

۸/رجب المرجب شریف ۱۴۳۴ھ - ۱۹/مئی ۲۰۱۳ء

فضیلت علم

آج کے ترقی یافتہ دور میں شاید ہی کوئی شخص علم کی ضرورت، اہمیت اور فضیلت کا منکر ہو، علم ترقی کا پہلا زینہ اور کامیابی کا سیدھا راستہ ہے، ہمیشہ وہ لوگ صاحب عزت ومنزلت سمجھے گئے ہیں جنہوں نے علم حاصل کیا، علم ایک روشنی ہے، ایک نور ہے، جو جہالت اور گمراہی کے حجابات کو تار تار کر دیتا ہے، اور صاحب علم کو حقائق اور معارف سے روشناس کراتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو حصولِ علم کی بھرپور تلقین کی، اور حصول علم کی طرف رغبت دلائی، قرآن حکیم جو آسمانی کتاب ہے، اس میں جا بجا علم اور علم والوں کی بزرگی اور بڑائی بیان کی گئی، تا کہ قرآن کے ماننے والے علم کو اپنا سرمایہ اور وراثت سمجھیں، قرآن میں ارشاد ہوا:-

۞ وَمَا كَانَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا۟ كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا۟ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُوا۟ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا۟ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾

اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔ (التوبہ آیت نمبر ۱۲۲، پارہ ۱۱)

اس میں اللہ نے قبائل عرب کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی کہ ہر قبیلہ سے کچھ افراد حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور احکام شریعت سیکھیں اور پھر وہ حضرات اپنے علاقہ میں تبلیغ کریں، اسی طرح ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

''تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔'' (فضائل قرآن ص ۴۷)

اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں پر علم کے سبب فضیلت دی، ارشاد ربانی ہے:-

نَرْفَعُ دَرَجَٰتٍ مَّن نَّشَآءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِى عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾

ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔
(یوسف آیت ۷۶ پ ۱۳)

کوئی بے علم دنیاوی اعتبار سے جتنا بڑا ہو جائے مگر دانشمندوں اور عقلمندوں کی مجلس میں اُس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اسی مضمون کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ ٱلْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا۟ رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٩﴾

کیا وہ جسے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گذریں سجود میں اور قیام میں، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے آس لگائے۔ تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان، نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔ (الزمر آیت ۹، پ ۲۳)

یہاں عقل سے مراد علم ہے، ایک مسلمان کے لئے سب سے پہلے اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم اور یقین ضروری ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، لیکن معرفت خداوندی کا حصول اور

خوف خدا کی دولت بھی علم کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے، خود اللہ واحد قہار فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

''اورآدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یونہی الگ الگ ہیں۔ اللہ سے اُس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جوعلم والے ہیں۔ بیشک اللہ عزت والا بخشنے والا۔'' (فاطر آیت ۲۸، پ۲۲)

جوشخص صرف علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرے گا اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا جائیگا۔ ایسے مسافر کے احترام واستقبال میں فرشتے اپنا پر بچھا دیتے ہیں اور زمین وآسمان کی ہرمخلوق دعاء کرتی ہے حتیٰ کہ مچھلیاں بھی۔ (کشف القلوب ص ۱۱۷)

علم مال سے افضل ہے

بصرہ عراق کے علماء کے مابین اختلاف ہوا، کہ علم افضل ہے، یا مال، کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا تو لوگوں نے رائے کرکے ایک شخص کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا، کہ پوچھو کہ وہ کیا فرماتے ہیں، تو حضرت ابن عباس نے فرمایا، کہ علم مال سے افضل ہے، اس لئے کہ علم انبیاء کی میراث ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مال ختم ہوجانے کے بعد مال والے کولوگ بھول جاتے ہیں اور مالدار کومرنے کے بعد کوئی یادنہیں کرتا لیکن علم والامرنے کے بعد بھی اپنے علم کے سبب زندہ رہتا ہے۔ ساتھ ہی مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور بعض دفعہ ختم ہوجاتا ہے، مگر علم ایسی دولت ہے کہ جس قدر خرچ کرو اُسمیں اضافہ ہی ہوتا ہے، حدیث شریف میں آیا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آخر دور میں علم اُٹھالیا جائے گا، یعنی علماء اٹھالیے جائیں گے، اور جہلا فتویٰ دیں گے، (نزھۃ القاری کتاب العلم ج۱ حدیث ۷۴) بغیر علم کے مسئلہ بتانا ناجائز ہے، حدیث میں ہے جس نے بغیر علم کے مسئلہ بتایا وہ گناہگار ہے، اسی طرح دوسری حدیث میں ہے جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ (فتاویٰ مصطفویہ ص ۷ بحوالہ کنزالعمال ج ۱۰ ص ۱۱۱)

اعلیٰحضرت، امام اہل سنت، سیدنا، شیخ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے استاذ حضرت سیدنا ابوالحسین نوری مارہروی نے اپنی کتاب سراج العوارف میں فرمایا ''کتاب وسنت سے اپنی ضرورت بھر علم دین حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں اور اس کام کو سب کاموں پر مقدم رکھیں، اس کے بعد ہی طریقہ باطنی میں قدم رکھیں، کیونکہ جاہل صوفی اور بے علم عابد شیطان کا مسخرہ اور بالکل نکمّا اور ناقابل قبول ہے۔'' (سراج العوارف اردو ص ۲۹۔) ان آیتوں، حدیثوں اور اقوال سلف سے خوب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ ایک مسلمان کے لئے علم کتنا بڑا سرمایہ اور کتنی عظیم دولت ہے، جو جتنا بڑا علم والا ہے اُس کا مرتبہ دین ودنیا میں اُتنا ہی بلند ہے، علوم بہت ہیں، جنکا شمار نہیں کیا جاسکتا، تجارت کا علم، کھیتی باڑی کا علم، جادو کا علم، حساب وکتاب کا علم، ستاروں کا علم، تاریخ کا علم اور نہ معلوم کتنے علوم ہیں لیکن اِن تمام علوم وفنون میں سب سے افضل علم ایمان وعقیدے کا علم ہے، پھر احکام شریعہ کا علم، اس لئے کہ یہی ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا اور گراں قدر سرمایہ ہے، آدمی کو اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے وہ اپنے عقیدہ اور عمل کی حفاظت کرسکے، اس قدر علم دین حاصل کرنا فرض ہے، ہرآدمی کے لئے مفتی اور عالم بننا ضروری نہیں، لیکن بنیں تو بہتر اور خیر وبرکت کی بات ہے۔

اللہ میاں، اللہ صاحب، محمد صاحب اور محمڈن نہیں کہنا چاہیئے

علم نہ ہونے کے سبب بہت سارے مسلمان اللہ صاحب، محمد صاحب، اور محمڈن کہتے ہیں جبکہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کہنا چاہیئے۔

اسی طرح ''اللہ صاحب فرماتے ہیں یا اللہ میاں جو چاہیں کریں'' نہیں کہنا چاہیئے۔ اللہ ایک ہے، تنہا ہے۔ اس لیے اُسے انہیں لفظوں سے متصف کرنا چاہیئے جن سے اس کا یکتا وتنہا ہونا سمجھا جائے، وہ لاشریک اور اکیلا ہے، فرماتے ہیں یا کہتے ہیں سے ایسا لگتا ہے کہ ایک خدا کے علاوہ بھی خدا ہیں، اللہ واحد کے لئے جمع کا لفظ استعمال جہلاء کرتے ہیں یا وہابیہ۔

افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں کی بڑی تعداد جہالت میں مبتلا ہے، انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ اپنے خدا

ورسول کا نام پاک کس طرح لینا چاہئے۔ بہت سے لوگ جہالت کے سبب اللہ تعالیٰ کو اللہ میاں یا اوپر والا کہتے ہیں حالانکہ اس طرح نہیں کہنا چاہئے (فتاویٰ مصطفویہ ص ۷ بحوالہ کنز العمال ج ۱۰، ص ۱۱۱) ۔بعض لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد صاحب اور مسلمانوں کو محمڈن کہتے ہیں جبکہ اس طرح نہیں پکارنا چاہئے۔حضور نبی کریم علیہ السلام کو نام کی بجائے القاب واوصاف سے خطاب کرنا چاہئے اور محمڈن کی بجائے مسلمان یا مسلم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کہنا چاہئے، کتنے ایسے مرد وعورت ہیں جنہیں وضو اور غسل کا طریقہ تک نہیں معلوم، نماز کس طرح ادا کرنی چاہئے وہ نہیں جانتے، جبکہ ایک مسلمان کے لئے یہ معلوم ہونا نہایت ضروری ہے۔

اپنے بچوں کو قرآن سکھاؤ

اے نبی آخر الزماں کی امت! سب سے پہلے بچے اور بچیوں کو کلمہ سکھاؤ، دعائیں سکھاؤ، قرآن پڑھاؤ، اردو کی تعلیم دو، انہیں نماز وروزہ کا طریقہ بتاؤ تاکہ جب تم اس دنیا سے جاؤ تو تمہارے لئے تمہاری اولادیں کم از کم کلمہ، درود اور قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرسکیں، لڑکوں کیساتھ اپنی بیٹیوں کو بھی علم دو، اس لئے کہ علم فقط لڑکوں کے لئے نہیں ہے، خود حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی عالمہ، فاضلہ اور مفتیہ تھیں۔ بائیس سو دس (۲۲۱۰) سے زیادہ حدیثوں کی روایت فرمائی ہیں۔ایک بیٹی کا علم حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ پورے گھرانے اور ایک نسل کی پرورش ہوتی ہے۔

عورت کی گود پہلا مدرسہ ہے

ایک بیٹی جب ماں بنتی ہے تو اگر وہ سلیقہ مند اور تعلیم یافتہ ہے تو اپنے شوہر کی بہترین رفیق اور اپنے بچوں کے لئے پہلا مدرسہ ثابت ہوتی ہے۔

پردہ عورت کا حُسن ہے

ہاں اتنی بات ضرور یاد رہے کہ اسلام میں پردہ کی بڑی اہمیت ہے، پردہ عورت کا حسن بھی ہے اور ضرورت بھی، آج کل اکثر دیکھا جا رہا ہے کہ ہماری دینی بہنیں غیروں کی دیکھا دیکھی تعلیم اور ترقی کا

مطلب بے پردگی اور عریانیت سمجھنے لگی ہیں، عورت کی نسوانیت اور اس کی خوبصورتی کا راز اُس کے پردے میں ہے، اسلامی بہنیں بازار کا مال نہیں بلکہ گھروں کی زینت اور مالکن ہیں۔

پردہ قید نہیں ہے

پردہ کا مطلب قید کرنا نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ہر وہ اہمیت کی چیز جس کی عظمت بیان کرنا ہوتی ہے، اُسے پردہ میں رکھتے ہیں، آپ ایک کباڑی کو دیکھیں وہ کباڑ سڑک کے کنارے ڈال دیتا ہے، اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ اس حقیر چیز کو کوئی نہیں لے جائے گا، لیکن جوہری جواہرات کو اور سنار زیورات کو بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں، اس لئے کہ پلک جھپکی نہیں اور اُچکّے جواہرات وزیورات اچک لے جائیں گے بالکل یہی مثال ہے، ہماری دینی بہنوں کی عصمت، عزت اور آبرو بڑی قیمتی ہے اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

دینی علم کے ساتھ عصری علوم بھی سکھائیں

ایک عام خیال یہ ہے کہ علماء اور مدرسوں کے لوگ خاص کر لڑکیوں کو انگریزی، ہندی، حساب اور کمپیوٹر وغیرہ علوم سکھانے کے مخالف ہیں، جو بالکل غلط ہے۔ مسلمان لڑکے لڑکیاں دین کی ابتدائی اور بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر، انجینئر بنیں اور دوسرے جدید علوم خوب سے خوب حاصل کریں، خود ترقی کریں، اپنی قوم اور ملک وملت کی ترقی کا ذریعہ بنیں، لیکن اتنا یاد رکھیں کہ جتنی بھی ترقی کر لیں مگر اپنے خدا ورسول اور مذہب ومسلک سے غافل نہ ہوں، اس لئے کہ اگر یہ نہ رہا تو سب بیکار اور بے فائدہ ہے، اللہ رب العزت مسلمانوں کو علوم کی برکت اور اس لازوال نعمت سے مالا مال فرمائے۔ **آمین بجاہ النبی الاُمّی الکریم۔**

اسلامی عقائد

توحید باری تعالیٰ

اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے، اس کے جیسا کوئی نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہی سب کا خالق و مالک اور پالنہار ہے، اسی کے حکم سے بچے پیدا ہوتے ہیں، وہی بیماروں کو شفا دیتا ہے، اس کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی ذرہ نہیں ہل سکتا، نہ پتّا گر سکتا ہے، وہ جسے چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے، اس کی ذات وصفات میں نہ کوئی شریک اور نہ سہیم ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اُسی کی بندگی کرنی ضروری ہے، اس کے سوا کوئی پوجا کے قابل نہیں۔ اس کی ذات اور صفتیں قدیم ہیں، اس کا علم ازلی ابدی اور لامحدود ہے، اُس کی ذات جھوٹ اور تمام برائیوں سے پاک ہے، جو کہے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق و گستاخ اور خدا کا دشمن ہے۔

عقیدۂ رسالت

اللہ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے نبیوں اور رسولوں کو اپنا نمائندہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ دنیا میں جتنے بھی نبی و رسول آئے، سب کے سب اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور سب کا مقصد اللہ کی عبادت کی دعوت دینا تھا، وہ سب کے سب اللہ کے مقرب اور محبوب بندے اور انسانوں کی جماعت سے تھے، کسی جن، فرشتہ یا عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا، تمام نبیوں کے بعد اللہ نے اپنے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا، اور آپ پر اپنا مقدس

کلام قرآن مجید نازل فرمایا، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، اگر کوئی نئے نبی کے آنے کی بات کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کو نبی کہا جبکہ وہ جھوٹا اور اسلام کا دشمن تھا۔

بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت کا انکار کیا اس بنیاد پر علماء اسلام نے مولوی نانوتوی کو خارج از اسلام قرار دیا۔

رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے شیطان کے علم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک سے زیادہ بتایا، مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کی طرح اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھا، یہ اور ان کے جیسے گھناونے اور گندے عقائد رکھنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

صحابی کی توہین کرنے والا مسلمان نہیں

اہلِ سنت کے نزدیک کسی صحابی کی ادنیٰ توہین کفر ہے، شیعہ صحابہ کی اہانت کرتے ہیں، قرآن میں کمی اور زیادتی کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہابیہ، دیوبندیہ بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اسی لیے علمائے اسلام نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔

مرتدین کی ایک قسم صلح کلی ہے

صلح کلی اچھے، بُرے، مسلمان اور منافق سب کو یکساں سمجھتے ہیں، تمام مذہبوں اور دھرموں کو ایک طرح بتاتے ہیں، دنیا کی لالچ میں حق اور باطل کو خلط ملط کرتے ہیں، یہ سب کے سب بدمذہب اور گمراہ ہیں، ایسوں سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔

قرآن اور ملائکہ

قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی کمی زیادتی نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے، اس کا محافظ خدائے ذوالجلال ہے۔ یہ کتابِ ہدایت ہے۔

ملائکہ اللہ کی نوری مخلوق ہیں، یہ نہ مرد ہوتے ہیں نہ عورت، یہ اللہ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ نے برائیوں کی قدرت نہیں دی اس لئے یہ وہی کرتے ہیں جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے بعض عبادت و بندگی بعض ذکر وتسبیح، بعض دیگر امور پر مامور ہیں۔

تقدیر

تقدیر اچھی ہو یا بُری سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اللہ نے اپنے علم سے اُسے پہلے لکھ دیا، تقدیر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے کسی کی قسمت میں برائی لکھی ہے اس لئے وہ مجبور ہے بلکہ وہ بُرا تھا ہی، جیسا تھا ویسا ہی اللہ نے لکھ دیا۔ جب کوئی اچھا کام ہو تو بندوں کو چاہئے کہ کہیں اللہ کے فضل وکرم اور چاہنے سے ہوا اور بُرائی ظاہر ہو تو کہیں کہ نفس کی شرارت کے سبب ہوا۔ یہ نہیں کہ بُرائی کی نسبت خدا کی طرف کریں معاذ اللہ۔

حشر ونشر

موت برحق ہے۔ اللہ کی طرف سے ہے، جب اللہ چاہتا ہے موت دیتا ہے، وہ جسے مارنا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں بچا سکتا، ہاں اللہ اپنے مقرب اور برگزیدہ بندوں کی دعاؤں کے سبب کرم فرماتا ہے اور بندوں کی دعاؤں کو قبول فرما کر اُن کی حاجتیں پوری فرماتا ہے، لیکن یہ اس کی مجبوری نہیں بلکہ اس کا کرم ہے۔ مرنے کے بعد اٹھایا جانا حق ہے، ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

کافر ومشرک کے لئے دعائے مغفرت کفر ہے

کافر ومشرک کے علاوہ اللہ رب العزت جسے چاہے گا اپنے کرم سے بخش دے گا لیکن کسی کافر و مرتد اور مشرک کی مغفرت نہیں فرمائے گا اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ سے پھرنے والا نہیں۔ کسی کافر ومشرک، ہندو، دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی تبرائی کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا ان کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے۔

شفاعت

اللہ کے حضور سب سے پہلے ساری کائنات کے آقا ومولیٰ شفیع روز شمار محبوب کردگار، مدینے کے تاجدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے وہ اپنے کرم خاص سے قبول فرمائے گا اس کے بعد آپ کے طفیل انبیاء، اولیاء، علماء اور صالحین شفاعت کی التجا کریں گے، رحمت باری تعالیٰ جوش میں ہوگی اور گنہگاروں کا تانتا لگا ہوگا وہ اپنے کرم سے بعضوں کو بلا حساب وکتاب، بعضوں کو کئے کی سزا کے بعد جنت میں داخل کرے گا۔

مسلمانوں کے لئے سب بڑی اہم بات یہ ہے کہ اپنے عقیدے کی حفاظت کریں اس لئے کہ حضور نے فرمایا ''میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے، جنتی فرقہ اہل سنت وجماعت ہے، جو حضور اور حضور کے اصحاب کرام اور اہلبیت اطہار و جملہ بزرگان دین کے مذہب ومسلک اور طریقے پر ہے۔

ٹی۔وی۔ دیکھنا، دکھانا حرام ہے

آج کا دور ٹی وی اور اخباروں کا دور ہے، اس زمانے میں عقیدے کی حفاظت بہت مشکل ہے، اس لیے عوام کو اپنے علماء اور مشائخ سے قریب رہنا چاہئے، اس دور میں چینلوں کے ذریعہ بہت سارے گمراہ اور بددین لوگ مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں یہود ونصاریٰ اور اسلام دشمن عناصر کی طرف سے پوری مدد مل رہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کا دین وایمان خراب کریں، آج ہر گھر میں ٹی وی ہے، دین کی تبلیغ کے نام پر ذاکر نائک جیسے لوگ کافر نالائق کا کام کر رہے ہیں، انگریزی سنا کر مسلمانوں کو خاص کر نوجوانوں کو مرعوب کر رہے ہیں، اس لئے مسلمانو! دین ٹی وی سے نہیں اہل سنت وجماعت کے علماء اور خصوصاً اعلیٰحضرت کی کتابوں سے حاصل کرو تاکہ بھٹکنے کا اندیشہ نہ رہے، ہمارے اکابر قدیم علماء ومشائخ کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے کہ ٹی وی دیکھنا، دکھانا حرام و ناجائز اور گناہ کا کام ہے، مدنی یا مکی یا بغدادی نام رکھنے سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی ورنہ ہر بُرائی

کرنے والا مدنی مکی نام رکھ کر برائیوں اور بے حیائیوں کی تشہیر کریگا، ٹی وی پہ جو تصویریں چھپتی ہیں وہ سب تصویر ہی ہیں اور تصویر بنانے والے، بنوانے والے سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں، آج کل شہرت پسند نام نہاد مفتیوں اور جاہل احمق مبلغوں نے بدعتوں کو سنت اور ثواب کا درجہ دے رکھا ہے، مسلمانوں کو دین کی روح سے دور کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ نے بہت سارے بناوٹی پیروں، فقیروں، لالچی مولویوں، مفتیوں اور امرائے جماعت کو خرید رکھا ہے، ان میں کچھ بنام کلمہ لوگوں کا دین وایمان تباہ کررہے ہیں اور کچھ اہل سنت کے نام پر اہل سنت میں تفریق وانتشار پھیلا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے عوام کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ کل اگر ٹی وی، وی ڈیو میں تباہ کاریاں نظر آتی تھیں تو غور کرنے کی بات ہے کہ اب کون سی وحی آئی جس کے ذریعہ تباہ کاریوں کے بدلے ثواب کی تشہیر کی جارہی ہے ۔ افسوس کے بعض جہال غالی اپنے پیروں کی نمائش کے لئے مساجد میں ٹی وی اور سی ڈی پلییئر کے استعمال کی جرأت کرنے لگے ہیں۔ اللہ ان بے علم بھٹکے ہوؤں کو ہدایت عطا فرمائے، اور مسلک اہل سنت یعنی تعلیمات اعلیٰحضرت پر گامزن فرمائے۔ آمین۔

نام اچھا رکھنے سے حرام حلال نہیں ہوتا

کسی حرام چیز کا نام مکی یا مدنی یا بغدادی رکھنا درحقیقت ان محترم ناموں کی توہین اور کھلی بے ادبی ہے، چینل یا اس طرح کے کسی بھی ناجائز کام کی نسبت بزرگوں یا مقامات مقدسہ کی طرف نہیں کرنا چاہئے، معاذ اللہ یہ جرأت کہ ایک فعل حرام اس پر طرہ یہ کہ اس کا نام مدنی رکھ دیا، خدا ایسوں کو عقل سلیم دے اور روئے زمین کو اس فتنے سے ہمیشہ کے لئے پاک کردے (آمین)۔ یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ اتنی بڑی رقم ان دینداروں کو کہاں سے مل رہی جس سے چینل کا اہتمام ہو رہا ہے، عموماً میڈیا پر یہودیت اور وہابیت کا تسلط قائم ہے اور پیسہ بھی انہیں کا صرف ہوتا ہے، حقیقی دیندار گروپوں کو تو اتنے بھی پیسے نہیں مل پاتے جن سے وہ کوئی چھوٹا سا کتابچہ بآسانی چھاپ سکیں۔ پھر چینل کیلئے پیسہ کی فراہمی بڑی بات ہے ممکن ہے چینل والا پیسہ بھی خواب میں کوئی صاحب یا ایک بزرگ دے جاتے ہوں۔ **لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ العلی العظیم۔**

اسلام ہی سچا دین ہے

اسلام اللہ جل شانہ کا پسندیدہ اور محبوب دین ہے، تمام انبیاء ومرسلین اسلام پر تھے اور اپنی اپنی قوموں کو اسی کی طرف بلاتے رہے، اسلام کا معنی اطاعت کرنا، خود سپردگی اور فرماں برداری ہے، اسلام کا ماننے والا اپنے آپ کو اللہ ورسول کے سپرد کردیتا ہے اور خدا کے حکم کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

اسلام کا معنی لغت میں گردن جھکانا، اطاعت کرنا، سرتسلیم خم کرنا ہے۔ اصطلاح میں اسلام کا مطلب وہ دین وشریعت ہے جسے اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے، اسلام کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں، تمام نبیوں اور رسولوں کا دین اسلام تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اللہ نے اسلام کو پسند کیا اور دین اسلام کا داعی ومبلغ بنا کر اپنے بندوں کے درمیان بھیجا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا. ''اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کی اور میں راضی ہوا تمہارے لئے اسلام سے باعتبار دین کے۔'' (سورہ المائدہ، آیت ۳ پ ۶۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے نہ کہ دیگر ادیان ومذاہب۔ اس آیت کریمہ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے دعویٰ حقانیت میں خطا پر ہیں۔

دوسری آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے ”مَا کَانَ اِبْرَاهِیْمُ یَهُوْدِیًا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِماً.“ ”ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی اور لیکن وہ دین حنیف پر تھے۔“ (سورہ آل عمران آیت ۶۷ پ۳۔)

ایک اور جگہ فرمایا گیا: ”اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ.“ ”اے اللہ تو ہی دنیا وآخرت میں مددگار ہے مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا۔“ (سورہ یوسف، آیت ۱۰۱ پ۱۳۔)

ان تینوں آیتوں میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہے، گویا کہ اس کے علاوہ جو ادیان اور عقائد و دھرم ہیں ان کی پیروی رب العالمین کی مرضی اور منشاء کے خلاف ہے، اللہ نے بہت سارے نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں مبعوث کیا اور ہر نبی و رسول کی بعثت کا ایک ہی مقصد تھا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں۔ شرک سے باز رکھیں اور روئے زمین پر صرف ایک خدا کی بندگی ہو۔ اسی مقصد عظیم کی تکمیل اور اکمال کے لئے رب ذوالجلال نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں اور رسولوں کا خاتم بنا کر بھیجا۔ آپ کے اوپر نبوت تمام ہوگئی اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے: ”مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ“ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں میں آخر۔“ (سورہ الاحزاب آیت ۴۰، پ۲۲۔)

مذکورہ بالا آیات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب وادیان ہیں وہ باطل ومردود ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری شریعتیں منسوخ ہوگئیں اب نہ کوئی یہودی اور نہ عیسائی بلکہ ہر ایک کے لئے فرض ہے کہ پیغمبر آخرالزماں کا لایا ہوا دین اختیار کرے جس کا نام اسلام ہے۔

حضور کے فرمودات اور طریقوں کا نام اسلام ہے

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دین اسلام کا جو بھی طور طریقہ اور اسلام کے جتنے بھی اصول وفروع اور احکام و اوامر ہیں وہ سب کے سب ختم المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بتانے کے مطابق ہیں بلکہ آپ کے فرمودات اور طریقوں کا نام ہی اسلام ہے، اور آپ کا ہر قول وفعل بحکم الٰہی وجود پذیر ہوا۔

ایمان نام ہے

اسلام و ایمان نام ہے اللہ کی ذات وصفات اور وحدانیت کے اقرار کرنے کا۔ اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی، وہ واجب الوجود اور معبود برحق اور قادر و قیوم ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں، غیر خدا کو سجدۂ عبادت کفر ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ (الملفوظ حصہ سوم ص ۷۸، مرتبہ حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی۔)

نیز تمام انبیاء ومرسلین، تمام کتب سماویہ، اچھی بُری تقدیر، فرشتے، جنت و دوزخ، موت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے ماننے کا نام ایمان واسلام ہے، اس میں کسی بات کا انکار یا شک اسلام سے خارج کر دیگا۔ اتنی باتوں کا دل وزبان سے اقرار کرنے والا مومن ہے۔ ایمان کے بعد عمل کا درجہ ہے۔

اسلام کسے کہتے ہیں

اسلام کس چیز کا نام ہے، اس کی حقیقت کیا ہے، اسلام کسے کہتے ہیں، اس کی اساس کیا ہے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل حاضر ہوئے اور آپ نے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو ایمان لائے اللہ پر اُس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس پر کہ بروز قیامت اس سے ملاقات ہوگی اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ جو تقدیر بھلی ہے یا بری وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، اس نے کہا آپ نے سچ کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہمیں حیرت ہوئی اس پر کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تصدیق کی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتا تھا۔ پھر کہنے لگا: ”فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ مَا هِیَ قَالَ اقام الصلوٰۃ وَایتاء الزکوٰۃ وحج البیتِ لِمَنْ استطاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَصوم رمضان والاغتسال من الجنابة قال صدقت.“ (المنتقی من حدیث المصطفی للدکتور

بشار عواد معروف جامعة صدام علوم اسلامیه بغداد)" آپ مجھے شرائع اسلام بتائیے کہ وہ کیا ہیں، آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور حج بیت اللہ کرنا اگر وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے، رمضان کے روزے رکھنا، اور غسل جنابت کرنا، اس نے پھر کہا کہ آپ نے سچ کہا...الی آخرہ۔ (مسند امام اعظم کتاب الایمان والاسلام۔)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

حدیث شریف میں فرمایا گیا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوم نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (نزھۃ القاری ج اول کتاب الایمان حدیث ۸)

ایمان وعقیدہ کے بعد جن اعمال کا ذکر ہوا ہے اُن میں نماز وروزہ بدنی عبادتیں ہیں، انہیں ادا کرنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں، غریب سے غریب آدمی بھی ان دونوں پر بلاحرج کے عمل کر سکتا ہے، زکوٰۃ مالداروں پر فرض ہے یہ مالی عبادت ہے اور حج بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے ان سب میں ایمان وعقیدہ کی درستگی کے بعد سب سے اہم اور بڑا درجہ نماز کا ہے، اللہ نے ہر مسلمان عاقل، بالغ پر دن ورات میں پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی ہے۔

محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: کہا کہ بیان کیا عبداللہ نے، فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاِقَامِ الصلوةِ، وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَومِ رمضانَ." "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا، اور خانۂ کعبہ کا حج کرنا اور رمضان کا روزہ رکھنا۔" (اَلْمُنْتَقٰی مِنْ حَدِیْثِ الْمُصْطَفٰی۔)

واضح لفظوں میں مطلب یہ ہوا کہ جن پانچ باتوں کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے وہ توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہے، اسلام کی پہلی بنیاد کا تعلق عقیدہ سے ہے اور حقیقت یہ ہے کہ

یہی بنیاد ہے باقی سب اس کی فرع ہیں اس لئے کہ عقیدۂ توحید ورسالت کے بغیر نماز وروزہ اور زکوٰۃ وحج کا کوئی فائدہ نہیں لیکن عقیدۂ توحید ورسالت بغیر اعمال صالحہ بھی مفید ہے کہ دولت ایمان ہے لیکن بے عمل مومن بغیر پھل وتنے کے درخت کی مانند ہے۔

ان پانچوں میں عقیدہ کو اولیت حاصل ہے اور اسی پر تمام اعمال کی قبولیت وعدم قبولیت کا دارومدار ہے، اگر عقیدۂ توحید ورسالت درست ہے تو نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ مفید ہیں بلکہ اسلام و ایمان کے لئے زیور ہیں۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، عقیدہ کی بنیادی کڑی توحید اور پھر رسالت ہے لیکن اس کی تفصیل وہ ہے جو ایمان مفصل میں بیان کی جاتی ہے کہ ایمان اللہ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، یوم آخرت پر، اچھی بری تقدیر پر، مرنے کے بعد اُٹھائے جانے پر، رکھنا ضروری ہے۔ مکمل اسلامی عقیدہ یہ ہے، ان تمام باتوں کا ماننے والا ہی مومن کہلانے کا حقدار ہے۔

اللہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالق و مالک اور ربّ الارباب ہے، اُسی کا حکم پوری کائنات میں جاری ہے بنا اُس کی مرضی کے ایک پتّا بھی حرکت نہیں کرسکتا، وہ واجب الوجود اور لائق سجدہ ہے۔ اس کی ذات وصفات ازلی، ابدی اور ذاتی ہیں، وہ قائم بالذات ہے، وہ قدیم ہے، باقی رہنے والا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب حادث اور فنا ہونے والا ہے، اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا دنیا کا سب سے بڑا گناہ اور ذلیل کام ہے اس گناہ کا مرتکب مشرک کہلاتا ہے، یہ کفر کی سب سے بدترین قسم ہے، رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ جتنے بھی پیغمبر دنیا میں آئے سب کی تصدیق کرے، کسی کا انکار یا کسی غیر نبی کو نبی ماننا یا فرض کرنا یا کسی نبی ورسول کی بارگاہ میں ادنیٰ درجہ کی گستاخی ایمان سے دور کر دیتی ہے۔

اسی طرح فرشتوں کا انکار کرنا یا کتابوں کا انکار کرنا جیسا کہ نیچریوں کا عقیدہ ہے، یہ کفر ہے، نیچری فرشتوں اور شیطان کے وجود کے منکر ہیں، نیز احادیث میں جنت کے جو اوصاف اور کیفیات بیان کی گئی ہیں ان کا انکار کرتے ہیں قرآن کو وحی الٰہی کے بجائے نبی کے قلب پر غلبۂ نبوت کے سبب

ایک کیفیت طاری ہوتی ہے اس حال میں جو کلام نبی کی زبان پہ جاری ہوتا ہے اُسے قرآن کہتے ہیں۔
معاذ اللہ یہ سب باتیں اسلام کے سراسر خلاف ہیں۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ اس
میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں، اس کا حرف حرف ”مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَاءِ“ ہے۔ الغرض یہ کہ ایمان مفصل
کے ضمن میں جتنی باتیں مذکور ہوئیں ان سب کا ماننا ضروری ہے۔ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا، موت
سے قبل کلمۂ طیبہ نصیب ہوگیا تو وہ مومن مرا، وہ قابل مغفرت ہے، لیکن پوری زندگی نماز و روزہ، حج و
زکوٰۃ ادا کرتا رہا اور عقیدہ میں کوئی نقص رہا تو اس کے اعمال سب اکارت اور بے سود ہیں، یہی وجہ ہے
کہ بڑے بڑے اللہ والے یہی دعاء کرتے رہے کہ مولیٰ خاتمہ ایمان پر فرما، ایمان ہر خیر اور بھلائی کی
جڑ اور بنیاد ہے۔ اس کی فکر ہر اس شخص کو کرنی چاہئے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، اس دنیا میں نہ جانے
کتنے ایسے کلمہ خواں، نمازی، حاجی اور تعلیم یافتہ ہیں جو اپنے خیال میں بہت پختہ مسلمان ہیں جب کہ
عقیدہ میں خرابی کے سبب وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہیں، اس لئے ہر صاحب ایمان کو اپنے عقیدہ کے
بارے میں خوب خوب متفکر رہنا چاہئے۔

سب سے افضل نماز ہے

عقیدہ ونظریہ کے بعد اعمال کا درجہ ہے، تمام اعمال میں سب سے اہم درجہ نماز کا ہے، نماز
اللہ ورسول کو بہت محبوب ہے، ہر عمل پر نماز کو فضیلت حاصل ہے، نماز کا منکر کافر ہے، حدیث میں وارد
ہوا کہ منافق کے اوپر نماز سب سے زیادہ بھاری ہوگی۔

اہل نجد میں سے ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا اسلام کے بارے
میں: ”فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلی اللّٰہ علیہ وسلم: خمسُ صَلَوَاتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ.
فقَالَ: ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُھُنَّ؟ فقالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَّوَّعَ.“ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں تو اس نے کہا کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے تو آپ نے
فرمایا نہیں مگر زیادہ ثواب کی غرض سے نفلی نمازیں پڑھ سکتے ہو۔

مفصل حدیث کا یہ ایک ٹکڑا ہے، اس حدیث میں حضور انور ﷺ نے نماز کی فرضیت بیان فرمائی ہے۔

نماز کے متعلق قرآن میں بکثرت آیات نازل ہوئیں، جن میں بار بار مختلف طریقوں سے
نماز قائم کرنے کی تلقین اور تاکید کی گئی ہے اور نہ پڑھنے والوں کے لئے شدید تہدیدات اور تنبیہات
وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ“ ”اور وہ نماز قائم کرتے ہیں۔“ (سورہ
بقرہ، آیت ۳ پ ۱) یہاں متقیوں کے اوصاف میں شمار کرایا گیا کہ تقویٰ والے نمازوں کے پابند ہوں
گے، نمازوں کو ان کے وقتوں پر ادا کریں گے، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات وغیرہ کی رعایت

کریں گے مکروہات تک سے اجتناب کریں گے۔ یہ نماز کی ظاہری صورت ہے نماز کا باطن یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرے اپنی نمازوں کو دنیا اور علائق دنیا سے محفوظ رکھے، خدا کی یاد میں اس طرح مستغرق ہو کہ اُسے غیر کا خیال ہی نہ آئے۔ (خزائن العرفان۔)۔

دوسری جگہ اللہ عزوجل نے واضح لفظوں میں نماز کا حکم صادر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' ''اور نماز قائم کرو۔'' (البقرہ، آیت ۴۳ پ ۱) اسی سے آگے فرمایا گیا ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ'' ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' اس سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، انفرادی طور پر نماز پڑھنے کے مقابلے جماعت سے پڑھنے والوں کو ستائیس درجہ زیادہ ثواب عطا کیا جاتا ہے، آگے فرمایا گیا ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ'' ''اور صبر اور نماز سے مدد طلب کرو اور بیشک ضرور نماز بھاری ہے مگر خاشعین پر۔'' (البقرہ، آیت ۴۵۔)۔

اس آیت میں نماز کی ترغیب دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نماز سچے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے آسان ہے اس کے برخلاف منافقین اور فساق وفجّار کے لئے بھاری اور مشکل ہے۔

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں سوائے نابالغ، حائضہ ومتنفسہ اور پاگل کے، ان تین پر نماز نہیں۔ ان کے علاوہ سب پر نماز ہے، نماز سے غفلت برتنا، نہ کسی عالم کی شان ہے نہ کسی دین دار کی، بڑے سے بڑے متقی کہلانے والے کا امتحان اُسی وقت ہوجاتا ہے کہ وہ نماز کے کس قدر پابند ہیں۔

بہت سارے دیندار سمجھے جانے والے نمازوں کے معاملے میں کمزور اور غیر پابند ہیں۔ جو دنیا کے دوسرے امور کو نمازوں پر ترجیح دیتے ہیں، بہت سے وہ ہیں جو پڑھتے ہیں لیکن پابندی سے نہیں، یا بے وقت یا برائے نمود فرائض وواجبات بمشکل تمام ادا کرتے ہیں، سنتیں اور نوافل کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگاتے، خشوع وخضوع کا حال تو اللہ کو معلوم ہے۔

بہت سے لوگ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اپنے گھروں اور دوکانوں میں ادا کر لیتے ہیں، ایسے لوگ سخت گنہگار ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی کام اور دین کا کوئی امر اعمال

کی فضیلت کے اعتبار سے نماز سے بڑھ کر نہیں، نماز چھوڑنے والا، یا نمازوں میں تساہلی برتنے والا عالم ہو، پیر ہو، شہزادہ ہو یا کوئی عام آدمی ہر شخص عنداللہ گنہگار اور سزا کا مستحق ہے، اہل سنت میں یہ وبا عام ہے، عوام تو عوام خواص بھی نماز باجماعت سے دور ہی نظر آتے ہیں۔ بہت دفعہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جلسہ وجلوس اور عرس وفاتحہ میں ہمارا انہماک اتنا ہوتا ہے کہ ہم نماز تک کو متأخر کر دیتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ نہ از روئے شرع صحیح ہے اور نہ باعتبار عقل وفہم۔ قرآن میں ارشاد ہوا: ''فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ. اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ'' ''تو ان نمازیوں کی خرابی ہے، جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں، وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔'' (الماعون ۱۰۷، آیت ۴-۵۔)

باجماعت نماز کا ثواب ۲۷ گنا زائد ملتا ہے

پانچ وقت کی نماز پڑھنا ضروری ہے (جامع الرضوی ص ۲۲۳)۔ نماز مسجد میں اور باجماعت پڑھنا چاہئے۔ اکیلے کے مقابلہ جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب ستائیس گنا زائد ملتا ہے۔ ایک روایت میں ہے بیس گنا زائد ایک دوسری روایت میں ۲۵ گنا زائد، ایک روایت کے مطابق ستائیس گنا زائد اور ایک روایت میں ۲۴/۲۵ گنا زائد ثواب دیا جاتا ہے (ابن ماجہ مترجم ج اول باب فضل الصلوٰۃ فی جماعۃ حدیث ۸۳۲ تا ۸۳۸)۔ نماز چھوڑ دینا یا بے وقت پڑھنا، قضا کرنا بلاوجہ جماعت کے بغیر پڑھنا سخت گناہ اور عذاب کا باعث ہے، قرآن میں سب سے زیادہ نماز کی تاکید کی گئی ہے، نماز پابندی سے پڑھنے کا حکم جتنی کثرت کیساتھ قرآن وحدیث میں ہے کسی دوسرے عمل کے بارے میں نہیں، ایک حدیث میں ہے، حضور نے فرمایا کہ نماز مومنوں کی معراج ہے، (سنن ابوداؤد ج اول کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر ۵۴۷ کے تحت)۔ دوسری جگہ فرمایا نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (اتحاف السادہ المتقین للزبیدی)۔ بندہ نماز سے زیادہ دوسرے کسی عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب نہیں حاصل کرتا (ابن ماجہ ج اول باب الخشوع فی الصلوٰۃ حدیث ۱۰۹۱ تا ۱۰۹۴)۔ نماز خشوع اور خضوع کیساتھ پڑھنی چاہئے۔

حکم ہے کہ جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز کی عادت ڈلوائیں اور جب دس سال کے ہوجائیں تو انہیں مار کر پڑھوائیں اگر وہ نہ پڑھیں (سنن ابوداؤد ج اول کتاب الصلوٰۃ

حدیث ۴۹۱ – بہار شریعت سوم)۔لیکن آج تو ماں، باپ، دادی، دادا ہی نماز نہیں پڑھتے تو وہ اپنے بچوں کو کیا پڑھوائیں گے، حالانکہ اُنہیں نہیں معلوم کہ میدان محشر میں مسلمانوں سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا (ابن ماجہ ج اول باب ماجاء فی اول مایحاسب بہ العبد الصلوۃ، حدیث نمبر ۱۴۸۵/۱۴۸۶/۱۴)۔ حدیث میں آیا کہ جان بوجھ کر جس نے نماز چھوڑی وہ کفر کی حد کو پہنچ گیا، کتنا بڑا گناہ ہے اور کتنی وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس کا اندازہ علم والوں کو اچھی طرح ہے، ہماری مسجدیں بھری ہونی چاہئے تھیں لیکن مسجدیں خالی اور ویران پڑی ہیں، بازاروں اور کھیل کود کی جگہوں پہ مسلمان رونق بڑھا رہا ہے۔

کچھ لوگ اس خیال سے نماز نہیں پڑھتے کہ بوڑھے ہو جائیں گے تب نماز پڑھیں گے اور داڑھی رکھیں گے، حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ کب موت کا فرشتہ پیام اجل لیکر آجائیگا، موت کا کوئی بھروسہ نہیں، ہر جوان، بوڑھا، خواہ مرد ہو یا عورت سب پر نماز فرض ہے، کھانے، پینے کاروبار کرنے، شادی بیاہ غرضیکہ ہر کام پر نماز مقدم ہے۔

نماز نہ پڑھنے کا نقصان

بے نمازی کے گھر میں برکت نہیں ہوتی، اس کی اولادیں اُس کی بات نہیں مانتیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو قبول نہیں فرماتا۔

آج کا بہت بڑا المیہ ہے کہ مسلمان نماز سے کوسوں دور ہے، اور یہ بیماری سنی عوام وخواص میں بہت زیادہ ہے، وہابیوں اور دیوبندیوں پر نماز نہیں ہے تو وہ نماز پڑھتے ہیں تاکہ عوام کو نماز کے نام پر ورغلا سکیں، وہ نماز کو ہتھیار بنا کر بہت سارے سنیوں کو دام تزویر میں پھنسا لیتے ہیں، اسی طرح نہ معلوم کتنے سادہ لوح سُنی مسلمان بدعقیدگی کے شکار ہو گئے۔ سنی علماء، مشائخ، عوام سبھی کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہم سبھی لوگ پنجگانہ با جماعت مسجد میں نماز ادا کریں اور دوسروں کو بھی نماز کی طرف بلائیں، اور دعوت و تبلیغ کا آسان اور سیدھا طریقہ جو قرآن میں بتایا گیا وہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچائے (التحریم ۶۶ آیت ۶ پ ۲۸) اور یہ جو آج کل ہرا یرا غیرا نتھو خیرا جسے پاجامہ باندھنے کا شعور نہیں دین کے دال اور شریعت کی ش سے واقف نہیں وہ دین واسلام کی تبلیغ کر رہا ہے۔

خود کا پتہ نہیں دوسروں کو راستہ دِکھا رہے ہیں، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

علمائے دین اور ائمہ کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ کا کام کریں۔ اپنی ذمہ داریاں اندھوں، بہروں اور لنگڑوں کے سر نہ ڈالیں۔ جس طرح جھولا چھاپ ڈاکٹروں کے علاج سے اہل علم ڈاکٹروں کی تحقیر اور مرض کی بجائے مریضوں ہی کے صفایا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اسی طرح جہلا کی تبلیغ سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ اور اعمال صالحہ کے برباد ہونے کا خوف ہے۔

اہلسنت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود نماز وسنت کی تعلیم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے نیز اپنے ماں باپ بھائی بہن اور بیوی بچوں کو تلقین کرے، گلیوں میں گردش کرنا اور اپنے گھر والوں کو بھول جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

قرآن شریف کے اندر نماز قائم کرنے اور مداومت برتنے کے سلسلے میں اتنی جگہ فرمایا گیا ہے کہ جسے قرآن سے تھوڑا بھی لگاؤ ہوگا وہ نماز سے غفلت نہیں برتے گا۔

قرآن میں متقیوں کے اوصاف بیان کئے گئے کہ تقویٰ والے نماز قائم کریں گے۔ (البقرۃ آیت ۳ پ ۱)۔

بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے مگر اللہ سے ڈرتے ہیں، تعجب ہے! جو اللہ سے ڈرے گا وہ کبھی بھی نماز سے غفلت نہیں برتے گا۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۳، آیت نمبر ۸۳، آیت نمبر ۱۱۰، سورۃ النسآء آیت نمبر ۷۷ آیت نمبر ۱۰۳ سورۃ انعام آیت نمبر ۷۲ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۹ سورۃ یونس آیت نمبر ۸۷ سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸ سورۃ النور آیت نمبر ۵۶ سورۃ روم آیت نمبر ۳۰، ۳۱ سورۃ المجادلۃ آیت نمبر ۱۳ سورۃ مزمل آیت نمبر ۲۰ سورۃ الماعون آیت نمبر ۴/۵/۶/۷۔

یہ ایک مختصر اور سرسری فہرست ہے جن مقامات پر قرآن حکیم میں اللہ نے اپنے بندے اور بندیوں کو اپنی عبادت وبندگی یعنی نماز کی اقامت اور مداومت کا حکم دیا ہے۔

تمام انبیاء ومرسلین اوران کے سچے پیرو کاروں نے نماز کی پابندی کی، کبھی کسی اللہ والے نے

نماز بلا عذر شرعی کے ترک نہ کی اور نہ اطاعت خدا ورسول سے سرتابی کی ، اور جو کوئی خدا ورسول کی فرماں برداری اور بندگی سے دور ہے وہ اللہ کا مقرب نہیں ہوسکتا ، تقرب کا آسان ذریعہ اور نجات کا سیدھا راستہ نماز ہے۔ پنجگانہ نماز ہر مسلمان خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہو فرض ہے جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا فاسق و فاجر مردود الشہادۃ ہے ، فرض چھوڑنے والے کی کوئی نفلی عبادت قبول نہیں ہوتی ، لہٰذا ہر مسلمان کو پہلے فرائض کی پابندی کرنی چاہئے ، نماز دین کا ستون اور رضائے الٰہی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

نماز افضل العبادات

اسلام کا معنی لغت میں گردن جھکانا ، اطاعت کرنا ، سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اصطلاح میں اسلام کا مطلب وہ دین وشریعت ہے جسے اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ، اسلام کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں ، تمام نبیوں اور رسولوں کا دین اسلام تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اللہ نے اسلام کو پسند کیا اور دین اسلام کا داعی ومبلغ بنا کر اپنے بندوں کے درمیان بھیجا۔

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں سوائے بچوں ، پاگلوں اور حائضہ ومتنفسہ عورتوں کے ، صحت مند ہوں یا بیمار ، گھر میں ہوں یا سفر میں نماز سے خلاصی نہیں۔

زکوٰۃ کا حکم

زکوٰۃ اسلام کا اہم رکن ہے ، ایمان یعنی کلمۂ توحید ورسالت کے بعد جس رکن اعظم کا ذکر اوپر ہوا اس کا تعلق عبادت بدنیہ سے تھا اب تیسرا رکن یعنی دین کیتیسری اساس وبنیاد زکوٰۃ ہے ، قرآن میں اور احادیث میں نماز کے بعد سب سے زیادہ کسی عمل کی تاکید کی گئی ہے تو وہ انفاق فی سبیل اللّٰہ ہے ، یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ قرآن میں بار بار آیا: ”وَاٰتُوا الزَّکوٰۃ“ ”اور زکوٰۃ دو“ (البقرہ ، آیت ۴۳ پ ۱)۔

چوتھے پارے میں ارشاد ہوا: ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ“ ”تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچوگے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو“ (آل عمران ۳ ، آیت ۹۲ پ ۴)

اس کے علاوہ پہلے پارے میں فرمایا گیا ”وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ“ ”اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اُٹھائیں“ (البقرہ ۲ ، آیت ۳ پ ۱۔)

ان تمام آیات سے زکوٰۃ کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے ، حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور عرب کے بعض قبائل ایمان سے پھر گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کیسے آپ لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں ، پس جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو ہم سے اس کی جان

اوراس کا مال محفوظ ہوگیا مگراس کے حق کے ساتھ، اوراس کا حساب اللہ پر ہے۔تو فرمایا حضرت ابوبکر نے قسم خدا کی میں ضرور ضرور اس سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا۔ بیشک زکوٰۃ مال کا حق ہے، قسم خدا کی اگر وہ مجھے منع کریں اونٹ باندھنے کی رسی دینے سے جو لوگ اللہ کے رسول کو دیتے تھے تو ان کی زکوٰۃ میں وہ رسی نہ دینے کے باعث میں اُن سے جنگ کروں گا۔پس حضرت عمر نے کہا قسم اللہ کی نہیں ہے مگر یہ کہ میں نے دیکھا کہ اللہ نے قتال کے لئے حضرت ابوبکر کے سینے کو کھول دیا تو میں نے پہچان لیا کہ یہی حق ہے۔(المنتقى من حديث المصطفى للدكتور بشار عواد معروف)

اس حدیث سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ کی اسلام میں کتنی زیادہ اہمیت ہے۔اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب سیدالمرسلین آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو مدینہ اوراس کے اطراف میں مختلف قسم کے فتنے اسلام کے خلاف وجود میں آئے، اُن فتنوں میں سے ایک فتنہ منکرین زکوٰۃ کا تھا، زکوٰۃ دینے سے منع کرنے والوں کے خلاف خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر نے جب سختی برتی تو اس پر بعض صحابہ بشمول حضرت عمر متردد ہوئے کہ منکرین زکوٰۃ کلمہ گو ہیں پھر صرف زکوٰۃ نہ دینے کے سبب اُن کے خلاف قتال کیونکر جائز ہوسکتا ہے لیکن جو بات حضرت ابوبکر نے سمجھی وہ دیگر صحابہ کی فکر سے بہت بلند تھی آپ کی سختی نے فتنوں کے تمام دروازوں کو بند کردیا۔اب کوئی شخص ظاہر میں کلمہ گوئی یا نماز وروزہ کا بہانہ کر کے اسلام میں نفاق نہیں پیدا کرسکتا۔

الغرض یہ کہ یہ حدیث زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں تازیانہ اور درس ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ومذہب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، دیگر مذاہب اور دھرموں کی طرح صرف پوجا پاٹ، سنیاس کا نام اسلام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات اور دستور زندگی ہے، اسلام کا پیروکار زندگی کے کسی بھی موڑ پر غیروں کا مرہون منت نہیں بلکہ ہر مسئلہ کا شافی وکافی حل اسلام میں موجود ہے، مذہبی، معاشرتی، سماجی، اجتماعی تمام امور پر اسلام نے کھلا تبصرہ کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو روشن ہدایت دی ہے تاکہ وہ کسی اور کے دست نگر نہ بنیں اور انہیں کسی دوسرے کا منہ نہ تکنا پڑے۔

اسلام کے سماجی اور اجتماعی نظام کا ایک اہم شعبہ زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کا حکم دیکر اسلام نے انسانی

معاشرے کے ہر طبقہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے اور سماج میں مساوات اور یکسانیت قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، زکوٰۃ مالداروں پر سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، اس کے لیے بھی مقدار متعین کی گئی ہے کہ کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے اور کتنا مال رکھنا معاف ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اسمیں سے کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں (سورہ البقرۃ آیت نمبر ۳)۔خرچ کرنے سے مراد یا تو زکوٰۃ دینا ہے یا صدقات نافلہ ہے، یہاں ایک بات یادرکھنے کی ہے کہ جس مال سے اللہ نے زکوٰۃ دینے کا حکم صادر کیا ہے یہ مال بھی اسی کا دیا ہوا ہے اور جو کچھ دیا ہے اس کا بہت معمولی حصہ زکوٰۃ میں ادا کرنے کو کہا ہے، ساتھ ہی اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ فضول خرچی اور بے اعتدالی نہ برتو دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ہ تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، تم فرماؤ جو کچھ مال تم نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لیے ہے اور جو بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے (البقرۃ ۲، آیت ۲۱۵)۔ یہ آیت عمرو بن جموح کے جواب میں نازل ہوئی، جو بوڑھے شخص تھے اور بہت مالدار تھے، انہوں نے حضور سے دریافت کیا تھا کیا خرچ کریں اور کس پر خرچ کریں، اس آیت میں انہیں بتایا گیا کہ جس قدر قلیل وکثیر مال خرچ کروگے اس پر اجر وثواب ہے، اس آیت میں نافلہ صدقات کا حکم ہے، اس لیے کہ ماں باپ کو صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

تیسری جگہ فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لا لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ

وہ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دیکر نہ احسان جتائیں نہ تکلیف دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ غم (البقرۃ ۲، آیت ۲۶۲)۔

یہ آیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کے لیے حضرت عثمان غنی نے ایک ہزار اونٹ مع سامان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آٹھ ہزار درہم جوان کے پاس تھے اس کا آدھا راہ خدا میں دیدیا حضور نے فرمایا جوتم نے دیا اور جو باقی رکھا اللہ دونوں میں برکت عطا فرمائے۔

اس آیت میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ دینے کے بعد احسان جتلائیں کہ ہم نے تمہیں دیا اور اس کا اظہار دوسروں کے سامنے کریں اور تکلیف پہچانے سے مراد یہ ہے کہ دینے کے بعد یہ کہیں کہ تم غریب ونادار تھے، پریشان تھے، تو ہم نے تمہاری مدد کی، ان باتوں سے قرآن نے منع کیا، دینے کے بعد اگر احسان جتلایا ہے یا تکلیف پہنچایا ہے تو پھر وہ عنداللہ اجر وثواب کا مستحق نہیں۔

زکوٰۃ علانیہ دو

زکوٰۃ جو اسلام کے فرائض میں سے ہے اس کے ادا کرنے میں اعلان بہتر ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ملے اور لوگ جانیں کہ زکوٰۃ دینا کتنا ضروری ہے اور صدقات نافلہ پوشیدہ طور پر دے اس لیے کہ نفلی عبادات میں اخفاء بہتر ہے تاکہ نام نمود کا شائبہ نہ رہے، ہاں اگر لوگوں کو راغب کرنے اور ابھارنے کے لیے نفلی صدقہ بھی ظاہر کرکے دیا جائے تو حرج نہیں لیکن نیت نام اور شہرت حاصل کرنے کی نہ ہو بلکہ نیت اللہ کی رضا اور دین کو فائدہ پہچانے کی ہو۔

قرآن کریم میں بکثرت زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے بالخصوص نماز کیساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، زکوٰۃ مالی عبادت ہے، زکوٰۃ ادا کرنے سے بچا ہوا مال پاک وصاف ہوجاتا ہے، زکوٰۃ ادا کرکے ایک مالدار مسلمان اللہ کا فرماں بردار بندہ بنتا ہے، ساتھ ہی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرکے معاشرہ کے غریب و نادار لوگوں کا مددگار بنتا ہے اور یہ بات اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ خرچ کرنے والوں کو خوب عطا کرتا ہے اور بخیلوں کو تنگ حال کرتا ہے، اور ان کے چین وسکون کو ختم کردیتا ہے، دنیا کی لالچ اور ہوس میں اس قدر مبتلا رہتے ہیں کہ انہیں سب کچھ ہونے کے باوجود اطمینان نہیں حاصل ہوتا۔

فرضیت زکوٰۃ

صدقہ فطر اور زکوٰۃ کا حکم ۲؍ہجری مدینہ منورہ میں نازل ہوا، ویسے ابتدائے اسلام ہی سے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم تھا لیکن تمام تفصیلات کے ساتھ بعد میں وضاحت کی گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائے اور نجاشی نے انہیں اپنے دربار میں بلاکر اسلام کی حقیقت اور تعلیمات دریافت کیں تو آپ نے فرمایا اَمَرَنَا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام یعنی انہوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا، اس سے پتہ چلا کہ نماز کی طرح زکوٰۃ اور روزہ کا حکم بھی پہلے ہی سے تھا اس کی تفصیلات ۲؍ہجری میں بیان فرمائی گئیں، ۲؍ہجری سے قبل زکوٰۃ بھی عام خیرات کے حکم میں تھا (شرح صحیح مسلم ج دوم ص ۸۷۸/۸۷۹)۔

زکوٰۃ کا معنیٰ

لغت میں زکوٰۃ کا معنی پاکیزگی، بڑھنا اور برکت ہے، اصطلاح میں زکوٰۃ کہتے ہیں اِیْتَاءُ جُزْءٍ مِّنَ النِّصَابِ الْحَوْلِیُ اِلٰی فَقِیْرٍ غَیْرِ ھَاشِمِیٌّ، سال گزرنے کے بعد نصاب معین سے ایک حصہ غیر ہاشمی فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے دینا۔

ادائیگی زکوٰۃ: ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ نصاب معین سے ایک حصۂ مال کا فقیر کو مالک بنایا جائے اگر کسی نے اپنا مکان کسی فقیر کو عاریۃً رہنے کے لیے دیا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی یا فقیر کے لیے کسی مال کو مباح کرنے سے بھی زکوٰۃ نہیں ادا ہوگی۔

کافر ومشرک، مرتد بددین اور صلحکلی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ کے فوائد بے شمار ہیں: ایک تو یہ کہ اس سے غریبوں اور مجبور لوگوں کی تالیف قلب ہوگی اور وہ اپنی غربت کے سبب اسلام سے بیزار نہ ہونگے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مالدار مسلمان اور غریب مسلمان کے درمیان ربط بڑھیگا۔ مالدار جب غریبوں کی امداد کریں گے تو غرباء ان کے حق میں بہتری کی دعاء کریں گے۔

تیسرا یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے دنیا کی بے ثباتی ظاہر ہوگی اور مال کی محبت کم ہوگی۔

چوتھا یہ کہ اسلامی حکومت ہونے کی صورت میں بیت المال کی آمدنی کا ایک مناسب ذریعہ ملیگا۔

پانچواں یہ کہ انسان کے دل سے حرص اور ہوس دور ہوگی۔

چھٹا یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے یہ تصور غالب رہیگا کہ مال اگرچہ ہمارے قبضہ میں ہے لیکن اس کا خالق و مالک کوئی اور ہے۔

ساتواں یہ کہ اس سے اسلامی اتحاد اور اجتماعیت کو فروغ دینے میں مدد ملیگی۔ مدارس، مکاتب اور مساجد جیسے کار خیر کے لیے بیت المال خود کفیل ہوگا، زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن میں آیا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهم وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا، ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیکر انہیں ستھرا کردیں۔ (التوبہ ۱۰۳)

اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

حکم زکوٰۃ کی تعمیل کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ اللہ ورسول کا یہ حکم ہے اور صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے کہ بلاچوں وچرا حکم خدا ورسول کی پیروی کرے، اس کے اسباب عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔

زکوٰۃ کی مقدار

سونا چاندی، نقدی، سامان تجارت وغیرہ جس کی ترقی اور حفاظت کے لیے انسان کو رات دن محنت کرنی پڑتی ہے اس قسم کے مال میں سال گزرنے پر مال کا چالیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہے، اور وہ زمین جن کی کاشت میں انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے اور کنواں، نل، ٹیوب ویل یا اور کسی طریقے پر پیسہ خرچ کرکے آبیاری اور کاشت کرنی پڑتی ہے، اس میں چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہے۔

اس کے علاوہ وہ زمین جو آسمان کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اور کسانوں کو آبیاری کے لیے کم مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس میں دسواں حصہ فرض ہے۔

قرض کے مال پر زکوٰۃ نہیں

اَنَّ عثمان بن عفّان رضی الله عنه كَانَ يَقُوْلُ : هذا شهرُ زَكاتِكُمْ فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيُؤَدِّ دَيْنَه حتّى تحصُلَ اَمْوَالُكُمْ فَتُؤَدُّوْا مِنْهَا الزَّكوٰة. حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مہینہ (رجب) زکوٰۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے اور جس پر قرض ہے وہ قرض ادا کرے حتی کہ تمہارا مال جدا ہو جائے اور باقی مال میں سے تم زکوٰۃ ادا کرو۔ (مؤطا امام محمد مترجم کتاب الزکوٰۃ ص ۱۴۶)

نوٹ: زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کوئی مہینہ مقرر نہیں، جب بھی سال پورا ہو جائے اسی وقت زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے تاخیر کرنا گناہ ہے، جو لوگ رمضان شریف میں ادا کرتے ہیں اس میں یہ فائدہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے اجر وثواب میں اللہ زیادتی فرماتا ہے۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ مقروض پہلے قرض ادا کرے پھر باقی شدہ مال اگر نصاب کو پہنچ آیا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔

اَنَّ رَسُوْلَ الله صلى الله عليه وسلم قال : لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْ سَقٍ مِنَ التّمرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْس ذَوْدٍ مِّنَ الابِلِ صَدَقَةٌ.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ لازم نہیں، پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

نوٹ: پانچ وسق برابر تینتیس (۳۳) من تیس (۳۰) سیر۔ دوسو درہم یا پانچ اوقیہ یا ساڑھے باون تولہ چاندی برابر 612.36 گرام اور بیس مثقال سونا یا چالیس دینار یعنی ساڑھے سات تولہ برابر 57.48 گرام ہے۔ (مؤطا امام محمد مترجم کتاب الزکوٰۃ ص ۱۴۷)

فکس ڈپازٹ پرزکوٰۃ واجب ہے

بینکوں میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس پرزکوٰۃ ہے، دوکان میں جو مال تجارت کا ہوتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔

فکس ڈپازٹ اور لائف انشورنس پر بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی ہے لیکن اس کی ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب رقم ملے۔ اگر دس سال کیلئے دس ہزار روپئے جمع کیا تو ہر سال کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی (فتاویٰ برکاتیہ ص۳۱۳)۔

زکوٰۃ کی رقم اسکول، کالج، ٹیکنیکل ادارے، رفاہی NGO وغیرہ کو دینا جائز نہیں اور اگر کسی نے دیا تو ادا نہیں ہوگی۔ حیلۂ شرعی کر کے بھی ان جگہوں پر نہیں استعمال کر سکتے۔ زکوٰۃ کے مصارف غرباء، فقراء، مساکین اور مدارس اہلسنت کے طلبہ ہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص۴۶۷)

مصارف زکوٰۃ

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے زکوٰۃ کا حکم دیا اور یہ بھی بتادیا کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کس کو دیا جائے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.

صدقات (زکوٰۃ) فقراء ومساکین کے لیے ہیں اور ان کے لئے جو زکوٰۃ وصولنے کے لیے مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور تاوان والوں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کرنا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے (التوبۃ ۹ آیت ۶۰)

فقیر اُسے کہتے ہیں جس کے پاس مال ہو لیکن نصاب کی مقدار سے کم ہو یا بقدر نصاب ہو مگر مکان، پہننے کے کپڑے اور دیگر حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو، ایسے کو زکوٰۃ وصدقات دے سکتے ہیں۔

عالم فقیر کو دینا جاہل فقیر کو دینے سے بہتر ہے۔

مسکین وہ ہے جو کھانے اور بدن چھپانے کا محتاج ہو یعنی بالکل مال نہ ہو، ایسے شخص کو مانگنا جائز ہے جبکہ فقیر کو مانگنا جائز نہیں لیکن زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہے۔

عامل اُسے کہتے ہیں جسے بادشاہ اسلام نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا ہو، عامل کو زکوٰۃ کا مال صرف اتنا دیا جاسکتا ہے جتنا وصول کرلایا ہے اس کے آدھا سے کم ہو۔ ابتدائے اسلام میں کافروں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز تھا تا کہ اُن کی تالیف قلب (دلجوئی) ہو سکے اور اس سبب سے وہ ایمان لے آئیں جب اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو صحابہ کرام نے اتفاق رائے سے کافروں کو زکوٰۃ دینے سے منع فرمادیا۔

مکاتب ایسے غلام کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے جس نے اپنے آقا سے مکاتبت کی ہو کہ آزادی کے بدلے اتنی رقم وہ ادا کریگا۔

غارم کہتے ہیں اُسے جو قرضدار ہو کہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ نصاب کو پہنچے تو اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص محتاج ہے اور وہ جہاد کے لئے سواری اور زادِراہ کی ضرورت رکھتا ہے یا طالب علم ہے اور پڑھائی کا خرچہ نہیں برداشت کرسکتا ہے یا کوئی حج پر جانا چاہتا ہے اور محتاج ہے ایسوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن حج پر جانے کے لیے **زکوٰۃ کا پیسہ** مانگنا جائز نہیں کوئی خود سے دیدے تو لے سکتا ہے۔

ابن السبیل کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں مثلاً کوئی مالدار شخص سفر پہ گیا اور راستے میں مال غائب ہو گیا تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم اس قدر دی جاسکتی ہے جس سے وہ اپنے گھر تک پہنچ جائے۔

اپنی ماں، نانی، پرنانی، دادی، پردادی، باپ-دادا، پردادا، بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اسی طرح شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

سسر بہو کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، اسی طرح داماد کو بھی دے سکتا ہے بیٹی کو نہیں۔

بھائی بہن کو اور بہن بھائی کو دے سکتے ہیں۔ عورتوں کو جو زیور دیے جاتے ہیں اگر وہ اُس کی

مالک ہیں تو اس کی زکوٰۃ انہیں پر ہے اُن کے شوہروں پر نہیں۔

مسجد میں زکوٰۃ کی رقم نہیں لگا سکتے

بعض لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور وہ زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس جمع رکھتے ہیں کہ جب فلاں کی لڑکی جوان ہوگی تو ہم اُس کی شادی کروائیں گے یا جہیز مہیا کرائیں گے یہ درست نہیں جیسے زکوٰۃ واجب ہوئی ادا کرنا ضروری ہے، تاخیر گناہ ہے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ جہیز خریدیں یا شادی کا انتظار کریں چونکہ اس رقم کے وہ خود مالک نہیں ہیں۔ جس کی شادی کرانا چاہتے ہیں اگر وہ فقیر یا مسکین ہے تو اُسے دے دیں وہ اس بات کا اختیار رکھتی ہے کہ اسے کیا کرے گی۔ (بہار شریعت حصہ پنجم)

زکوٰۃ ادا کرنے میں ضروری ہے کہ فقیر و مسکین کو مالک بنا دیں اب وہ جو چاہے گا کریگا، اگر کسی نے کسی فقیر و مسکین سے کہا کہ یہ مال ہے چاہو تو لے سکتے ہو تو اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوگی، مال زکوٰۃ مسجد میں صرف کرنا، یا اس سے میت کو کفن دینا یا میت کا قرض ادا کرنا یا غلام آزاد کرنا، پل، سرا (مہمان خانہ) سقاء یعنی پانی کا انتظام کروانا، سڑک بنوانا، نہر یا کنواں کھدوا دینا یا کتاب وغیرہ خرید کر وقف کر دینا یا کھانا بنوا کر کھلا دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لیے کہ ان چیزوں میں مالک بنانا نہ پایا گیا۔

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط. بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ اُن کے لیے بُرا ہے۔ اس چیز کا قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا جس کے ساتھ بخل کیا۔ (آل عمران ۳، آیت ۱۸۰)

اور آگے ارشاد فرماتا ہے : وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ه يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ه

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو، جس دن وہ جہنم کی آگ میں تپائے جائیں گے اور اُن سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کیا تھا تو اب چکھو جو جمع کرتے تھے۔ (التوبۃ ۹، آیت ۳۴)

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کو اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا۔ جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی۔ وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کی باچھیں پکڑ لیگا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت کی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ اسی کے مثل ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم زکوٰۃ کا بیان)

اس سے سبق لینا چاہئے ان مردوں، عورتوں کو جو مال جمع کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے۔

روزہ فرض ہے

عقیدہ ونماز اور زکوٰۃ کے بعد اسلام کا چوتھا رکن روزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔'' (البقرہ۲، آیت ۱۸۳)

اس آیت میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم ۱۰رشعبان ۲ہجری میں نازل ہوا۔ روزہ سابقہ شریعتوں میں بھی تھا، طریقہ جدا تھا، اسلام میں روزۂ رمضان پورے ایک مہینے کا فرض ہوا۔ اس کی فرضیت قرآن وسنت سے مؤکد ہے۔ بے شمار احادیث روزہ کے ضروری ہونے، اس کے فوائد اور تارکین روزہ کی تردید ومذمت اور انذار کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

روزہ ایک بدنی عبادت ہے، صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع سے **خالصة لوجه الله** بچنے کا نام روزہ ہے۔

نماز کی طرح روزہ کا چھوڑنے والا بھی گنہگار ہے اور علانیہ ترک کرنے والا سخت سزا کا مستحق، اسلام میں نماز کے بعد روزہ کا درجہ باعتبار عبادت بدنی کے ہے۔

رمضان کے تیس روزوں کی حکمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا اور بندگی کے کچھ ضروری طریقے مقرر فرمائے یعنی کچھ باتیں فرض فرمائی اور اُنہیں دین کی بنیاد قرار دیا، اللہ نے دین کی بنیاد کلمۂ شہادت

، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر رکھی۔

ہر مسلمان مکلّف پر دن ورات میں پانچ وقت کی نماز اور ۱۲رمہینوں میں ماہ رمضان کا روزہ، مالداروں پر سال میں ایک بار زکوٰۃ اور صاحب استطاعت پر پوری حیات میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے۔

روزہ کی فرضیت چاند کی رویت اور تصدیق سے متعلق ہے اسی لئے روزہ کبھی ۲۹ردن کا ہوتا ہے کبھی تیس دن کا، اس لئے کہ قمری مہینہ کبھی ۲۹ر اور کبھی ۳۰رکا ہوتا ہے'' یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیس روزوں کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوعہ سے کچھ کھالیا تو اس کا اثر تیس دن تک رہا اس لئے اولاد آدم کو تیس دن تک بھوک سے رہنا فرض قرار دیا (زینۃ المحافل ترجمہ نزھۃ المجالس صفحہ 581۔)۔

روزے تیس سے زائد بھی ہوسکتے ہیں

حضرت ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں بعض اوقات بعض اشخاص کو تیس کی بجائے اکتیس روزے بھی رکھنے پڑ جاتے ہیں مثلاً دمشق میں پنج شنبہ کو چاند دیکھا تو ان کی عید شنبہ کو ہوگی لیکن ایک شخص وہاں سے شہر صفدر میں چلا گیا اسے معلوم ہوا کہ یہاں لوگوں نے جمعۃ المبارک کو چاند دیکھا ہے تو ان کی عید یک شنبہ کو ہوگی، آدمی جس شہر میں ہے وہاں کے اعتبار سے اسے عید کرنی ہوگی، عموماً عرب ممالک میں اختلاف مطالع کی وجہ سے ایک دن پہلے روزہ شروع ہوتا ہے اور عید بھی ایک دن پہلے ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص ابتدائے رمضان میں سعودیہ میں رہا اور عید سے پہلے ہندوستان آگیا تو اسے یہاں کے اعتبار سے ایک دن بعد عید کرنی ہوگی جس دن سعودیہ میں عید ہوگی اس دن ہندوستان کے شہروں میں تیسواں روزہ ہوگا اور جو شخص سعودیہ سے ہندوستان آیا اس کا اکتیسواں روزہ ہوگا (مفہوم مقتبس زینۃ المحافل)۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو (پ۲رسورۃ القرہ آیۃ۱۸۳)۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ تم سے خطاب فرمائے تو اس کے لئے اپنے کانوں کو

خالی کردو کیوں کہ اللہ کا خطاب (یَاۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا) کسی کام کے حکم یا ممانعت کے لئے ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ نداء کی لذّت سے عبادت کی مشقت اور تکلیف زائل ہو جاتی ہے (غنیۃ الطالبین ص۴۵۱)۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہم سے پہلے والے لوگوں پر عشاء سے لے کر دوسری رات کے آنے تک روزہ ہوتا تھا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں بھی یہی دستور تھا، اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ نصاریٰ پر اسی طرح روزہ فرض تھا، کبھی تو روزہ کا مہینہ شدید گرمی اور کبھی سخت سردی میں آجاتا جس کی وجہ سے انہیں سفر اور کاروبار میں دشواری پیش آتی، چنانچہ ان کے بڑے اکٹھا ہوئے اور باہم طے کیا کہ روزے موسم بہار میں رکھے جائیں گے، اور اپنے ہیر پھیر کے کفارہ کے طور پر دس روزوں کا اضافہ کردیا، پھر ان کا ایک بادشاہ بیمار پڑا، اس نے نذر مانی کہ صحت یاب ہو گیا تو ایک ہفتے کے روزوں کا اضافہ کریگا، چنانچہ جب وہ تندرست ہوا تو لوگوں کے لئے ایک ہفتے کے روزے کا اضافہ کردیا، دوسرے بادشاہ کا زمانہ آیا تو اس نے بڑھا کر پچاس روزے کردیئے، پھر ان میں دو جانوروں کی موت ہوئی تو اس بادشاہ نے اُن روزوں سے پہلے دس اور بعد میں دس کا اور اضافہ کردیا (مکاشفۃ القلوب فضائل رمضان المعظم ص۷۰۱/۷۰۲)۔

امم سابقہ پر روزے متفرق طور پر فرض تھے مگر اللہ نے امت محمدیہ پہ آسانی فرمائی اور چاند کے اعتبار سے پورے ماہ رمضان کے روزے فرض فرمائے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر روزہ ہجرت کے دوسرے سال مدینہ منورہ میں فرض کیا گیا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنّت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت

میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (بخاری، مسلم)۔

حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات جلد دوم میں فرمایا آسمان کے دروازے کھول دیئے جانے سے مراد پے در پے رحمت کا بھیجا جانا، اور بغیر کسی روکاوٹ کے اعمال کا بارگاہ الٰہی میں پہنچنا اور دعاء کا قبول ہونا، اور جنت کے دروازے کھولنے سے مقصود ہے نیک اعمال کی توفیق اور حسن قبول عطا فرمانا اور دوزخ کے دروازے بند کئے جانے سے مراد ہے روزہ داروں کے نفوس کو ممنوعات شرعیہ کی آلودگی سے پاک کرنا اور گناہوں پر ابھارنے والی چیزوں سے نجات پانا اور دل سے لذّتوں کے حصول کی خواہشات کا توڑنا اور شیاطین کو جکڑنے سے مراد ہے بُرے خیالات کے راستوں کا بند ہوجانا (انوار الحدیث از مفتی جلال الدین احمد امجدی)۔

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن میں ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہے جس میں شب قدر ہے جو ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزوں کو فرض اور اس کی راتوں کی عبادت کو سنت قرار دیا ہے، جو شخص اس ماہ میں کسی نیکی سے قرب حاصل کرتا ہے اسے دیگر مہینوں کے فرض کے برابر ثواب ملتا ہے اور جس نے فرض ادا کیا اس کو دوسرے مہینوں کے ستّر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

رمضان صبر کا مہینہ ہے

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنّت ہے، یہ بھائی چارے اور ہمدردی کا مہینہ ہے، یہ ایسا مہنہ ہے کہ جس میں مومن کا رزق زیادہ ہوتا ہے، جس شخص نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا اُسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں (مکاشفۃ القلوب بحوالہ کنزل العمال)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان میں میری امت کو پانچ چیزیں دی گئیں جو اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ عمدہ ہے، ان

کے افطار تک فرشتے ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں، اس ماہ میں سرکش شیطان قید کردئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر دن جنّت کو سنوارتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ عنقریب میرے نیک بندے اس میں داخل ہونگے، ان سے تکلیف اور اذیت دور کردی جائے گی، اور اس ماہ کی آخری رات میں انہیں بخشا جاتا ہے، عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا اس سے مراد لیلۃ القدر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن کام کرنے والا کام پورا کرکے اپنا اجر پاتا ہے (حوالہ سابق)۔

آج کے زمانے میں روزہ نام رہ گیا ہے بھوکے رہنے اور سحری وافطاری کا،
حالانکہ اللہ عز وجل نے بندوں کو روزہ کا حکم اس لئے دیا تاکہ بندے پرہیز گاری
اختیار کریں، برائیوں اور ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے بچیں اور اپنے ذہن وفکر
اور دل ودماغ کو گناہ اور معصیت کے خیال سے پاک کریں۔

ایسے لوگ جو بھوکے پیاسے تو رہتے ہیں لیکن منہیات کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے حدیث مبارکہ میں تنبیہ وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص روزہ رکھکر بُری بات کرے اور اس پر عمل ترک نہ کرے تو خدائے تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔

حضرت شیخ محقق دہلوی نے اس حدیث کا مفہوم بیان فرمایا ہے کہ ایسے شخص کا روزہ قبول نہ ہوگا جو حالت روزہ میں بُری بات کرنے اور بُرے عمل سے پرہیز نہ کرے اس لئے کہ روزہ کے مشروع اور فرض کرنے کا مقصد بھوکے اور پیاسے رکھنا نہیں بلکہ لذّتوں کی خواہشات کا توڑنا اور خودغرضی کی آگ کو بجھانا مقصود ہے تاکہ نفس خواہشات کی جانب راغب ہونے کی بجائے حکم الٰہی پر چلنے والا ہوجائے (انوار الحدیث بحوالہ اشعۃ اللمعات)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جنّت کے دروازے اور آسمان کے دروزاے رمضان کی پہلی رات کو کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ آخری رات تک

بند نہیں ہوتے کوئی مومن مرد وعورت ایسا نہیں جو اس کی راتوں میں نماز پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اس کے ہر سجدے کے بدلے اس کے لئے ایک ہزار سات سو نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور اس کے لئے جنت میں سُرخ یاقوت کا مکان بناتا ہے، جس میں ستر ہزار دروازے ہیں، ان میں ہر دروازے کے سونے سے بنے ہوئے دو تختے ہیں جو سرخ یاقوت سے مرصع ہیں، جب وہ رمضان المبارک کا پہلا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے، یہ رمضان کے آخر تک ہوتا ہے اور یہ دوسرے رمضان تک کفارہ بن جاتا ہے، اور ہر روزے کے بدلے اس کے لئے جنّت میں ایک محل ہوگا جس کے ایک ہزار درواز ے سونے سے بنے ہونگے اور ستر ہزار فرشتے صبح سے لیکر آفتاب کے غروب ہونے تک اس کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔

اللہ کا کتنا بڑا احسان اور فضل ہے کہ اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو اس قدر فضیلت اور رحمت ومغفرت والا مہینہ عطا فرمایا، وہ لوگ قابل مبارکباد ہیں جو اس ماہ کی قدر کرتے ہیں، اللہ کے اوامر کے پابند اور معاصی سے اجتناب برتتے ہیں، اور جو لوگ ناقدری کرتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں وہ محروم القسمت اور نقصان میں ہیں۔

رمضان وجمعۃ الوداع

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ.

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا، لوگوں کے لئے ہدایت ورہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جوکوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔(ترجمہ رضویہ، سورۃ البقرۃ۲،۱۸۵۔)

رمضان المبارک تمام مہینوں میں افضل اور صاحب کرامت و بزرگی ہے، اس لئے کہ اس میں قرآن نازل کیا گیا۔ مفسر قرآن صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی حاشیۂ کنزالایمان میں آیت ۱۸۵ کے تحت چند اقوال نقل فرماتے ہیں (۱) رمضان وہ ہے جس کی شان وشرافت میں قرآن نازل کیا گیا۔ (۲) قرآن کریم کے نزول کی ابتداء رمضان میں ہوئی (۳) رمضان کے شب قدر میں پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا یعنی بیت العزت میں نازل ہوا، وہاں سے حسب ضرورت جبریل علیہ السلام تیئس سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کرآتے رہے۔

آغازِ وحی

سب سے پہلے سورۂ اقــرأ کی ابتدائی پانچ آیتیں غارحرا میں اتریں، ۱۷ر رمضان دوشنبہ کو حدیث:"**فَجَائَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرأ فَقَالَ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیْ الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرأ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ الثَّانِیَةَ حَتّٰی**

بَلَغَ مِنِّیْ الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرأ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ الثَّالِثَةَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّیْ الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرأ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ." رمضان کی فضیلت کے لئے نزول قرآن کے علاوہ بہت سی وجوہات ہیں، صحف ابراہیم پہلی رمضان کو نازل ہوئی، توراۃ رمضان کی دوسری تاریخ کو، انجیل سترہ رمضان کو نازل ہوئی۔ (نزہۃ القاری، باب بدءالوحی جلداول، ص۱۹۱۔)

رمضان کی فضیلت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے یعنی عبادت وریاضت اور رب کریم کی بندگی کا مہینہ ہے، جس قدر عبادات وریاضات کی کثرت اور زیادتی اجروثواب اس مہینے کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں۔

اس ماہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے لئے اس مہینے کی پہلی تاریخ سے ختم تک بھوکے اور پیاسے اور جماع سے باز رہتے ہیں جس کا نام شریعت میں روزہ ہے، یہ روزہ پچھلی امتوں پر بھی فرض تھا اور امت محمد یہ پر بھی فرض ہے، اور روزہ کا فائدہ قرآن نے یہ بتایا کہ روزہ دار روزہ کی بدولت پرہیزگاری پالیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ر تاریخ کو روزہ رکھتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے دودن افطار کرتے تھے۔

جس طرح رمضان کا روزہ امت مصطفیٰ پر فرض ہے اسی طرح نصاریٰ پر بھی روزۂ رمضان فرض تھا (غنیۃ الطالبین، ص۳۵۰)۔

روزۂ رمضان سے قبل عاشورہ اور ایام بیض کے روزے فرض تھے جب دس شوال دوہجری میں رمضان کے روزہ کی فرضیت نازل ہوئی تو عاشورہ کا روزہ نفل ہوگیا۔ (حاشیہ کنزالایمان، سورۂ بقرہ زیرآیت۱۸۳)

ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ نفل عبادتوں کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ سات سوگنا تک اضافہ فرمادیتا ہے۔

احادیث میں رمضان کی فضیلت

بخاری ومسلم میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے، تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (انوار الحدیث، ص۲۷۱)۔

بخاری ومسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ جو ایمان کے ساتھ ثواب کی امید سے روزہ رکھے گا تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو رمضان کی راتوں میں قیام کرے گا اُس کے اگلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے (مسند احمد، نسائی)۔ مشکوٰۃ کے حوالے سے انوار الحدیث ص۲۷۳ میں تحریر ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان آیا، یہ برکت کا مہینہ ہے، اللہ نے اس کے روزے تم پر فرض کئے، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو طوق پہنائے جاتے ہیں اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے جو اس کی برکتوں سے محروم رہا بیشک وہ محروم ہے۔

رمضان کی فضیلت و برتری کے لئے آیتیں، تفسیریں اور حدیثیں جمع کی جائیں تو ایک دفتر ناکافی ہوگا، رمضان میں بندۂ مومن قائم اللیل اور صائم الدھر ہوتا ہے، رمضان کا ہر ہر لمحہ اول تا آخر رحمت ومغفرت اور جہنم سے خلاصی کا سرچشمہ اور اہم ذریعہ ہے۔

رمضان کے دنوں میں روزہ رکھنا فرض ہے اور راتوں میں بیس رکعات تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اسی طرح ایک ختم قرآن سننا بھی سنت مؤکدہ ہے اور دو ختم سننا بہتر ہے اور تین ختم سننا افضل ہے (بہار شریعت، قانون شریعت)۔

جمعۃ الوداع

اللہ رب العزت نے نظام شمسی وقمری کے تحت دن اور رات کو پیدا فرمایا، زمانے کو پروردگار نے صدی، سال، مہینہ، ہفتہ، دن اور رات میں، انہیں گھنٹوں میں اور گھنٹے کو منٹوں میں اور منٹ کو

سکنڈوں میں اور سیکنڈ کو لمحوں میں اور لمحوں کو آن میں تقسیم فرمایا ہے۔

صدیوں میں قرن الرسول، مہینوں میں شہر الرسول، اور دنوں میں یوم الجمعۃ کو اللہ نے فضیلت و برتری بخشی ہے۔ جمعہ کی فضیلت میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں واضح ثبوت موجود ہے، قرآن عظیم میں سورۃ الجمعۃ کے آیت نمبر ۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ."

"اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو (کنز الایمان)۔

جمعہ کا نام کعب بن لوی نے جمعہ رکھا

جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نماز کے لئے جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے، جس شخص نے اس دن کا نام جمعہ رکھا اس کا نام کعب بن لوی تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو آپ کا قیام مقام قباء میں دوشنبہ، سہ شنبہ، چہارشنبہ، پنجشنبہ تک رہا اور آپ نے وہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ روز جمعہ مدینہ کا عزم فرمایا، بنی سالم بن عوف کے بطن وادی میں جمعہ کا وقت آیا اس جگہ کو لوگوں نے مسجد بنایا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ وہاں جمعہ کی نماز پڑھائی اور خطبہ دیا یہ اسلام میں سب سے پہلی جمعہ کی نماز تھی جو سرکار نے اپنے اصحاب کے ساتھ بنی سالم بن عوف کے بطن وادی میں پڑھی (کنز الایمان، سورۃ الجمعہ حاشیہ ۲۱۰)۔

نزھۃ القاری شرح بخاری جلد سوم کتاب الجمعہ ص۳۲۳ تشریحات میں ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور آنے والوں کے نام ترتیب وار لکھتے رہتے ہیں، جب امام خطبہ کے لئے نکل آتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں اور خطیب کا خطبہ سماعت کرتے ہیں۔ الحدیث: "فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلٰئِكَةُ یَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ"

اسی میں ابوالفضل جوزی کی کتاب الترغیب کے حوالے سے ہے کہ جمعہ کے دن فرشتوں کو جمعہ والی مسجدوں میں جھنڈا لے کر بھیجا جاتا ہے اور جبریل علیہ السلام مسجد حرام میں رہتے ہیں، ہر فرشتہ کے ساتھ نام لکھنے والے فرشتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کو سیدالایام یعنی تمام دنوں کا سردار اور مسلمانوں کے لئے عید بنایا ہے۔ اس لئے کہ یوم جمعہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں قرآن کریم کی آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' (سورہ مائدہ،۳)۔ نازل ہوئی ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا کہ اگر یہ نعمت ہمیں ملی ہوتی تو ضرور ہم اُس دن کو عید کے بطور مناتے، اس کے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت کب نازل ہوئی اور بلاشبہ وہ دن ہمارے لئے عید ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

اب تک فرداً فرداً رمضان اور جمعہ کے فضائل ومناقب بیان ہوتے رہے، ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان دونوں فضیلت مآب لمحوں کو رب کریم جمع فرما دیتا ہے۔ رمضان ۲۹، ۳۰ دن کا ہوتا ہے، اگر رمضان کا آغاز جمعہ سے ہو تو پندرہویں رمضان کو تیسرا جمعہ واقع ہوگا اور انتیس رمضان کو پانچواں جمعہ پڑے گا اس حساب سے پانچواں جمعہ جمعۃ الوداع کا کہلائے گا وَداع کہتے ہیں لغت میں **تَوَدَّعَ القومُ، وَدَّع بعضهم بعضًا** یعنی بعض نے بعض کو رخصت کیا (**المعجم الوسیط**)۔

وَداع کا جمعہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ مومنوں کے درمیان سے رمضان اور جمعہ کی مجموعی اور اجتماعی برکت رخصت ہو رہی ہے، جمعۃ الوداع اپنے چاہنے والوں سے یہ کہتا ہے کہ آج مجموعی رحمتوں کا آخری دن ہے اے میرا استقبال کرنے والو، میری آمد پر جشن منانے والو، خوشیوں کا اہتمام کرنے والو، آج میں تمہارے درمیان سے ایک لمبے عرصہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں آج تمہارے لئے رونے کا مقام ہے کہ رحمتوں اور برکتوں کا خزانہ تم سے واپس لیا جارہا ہے، آج جس قدر تم چاہو ہم سے پیار کرلو، اپنی محبتوں کا اظہار کرلو، عقیدتوں کے نذرانے لٹالو، جی بھر کر آنسو بہالو، اشک ندامت سے اپنے گناہوں کو دھولو۔

الوَداع: مومن اور اللہ سے ڈرنے والے کے لئے خوشی کا دن نہیں ہوتا بلکہ وہ غم کا نقارہ ہوتا ہے، اجر وثواب کی زیادتی سے جدائی کا اعلان ہوتا ہے، گویا کہ وہ بتاتا ہے کہ اے مومنوں عنقریب تم

روزۂ رمضان سے محروم ہونے والے ہو، تراویح بھی تم سے لے لی جائے گی، قرآن کا سننا، افطار کی برکت، سحری کے خیر اور ابواب رحمت وجنت کی کشادگی سے محروم ہونے والے ہو۔

خطیب منبر سے رمضان کے جانے پر افسوس کرتا ہے، بار بار وہ کہتا ہے **الوَداع الوَداع یا شھر رمضان**۔ ہائے رمضان ہم سے رخصت ہو رہا ہے، رمضان کی برکتیں ہم سے جدا ہو رہی ہیں۔ نزول قرآن کا زمانہ ہم سے واپس لیا جارہا ہے۔

ہائے افسوس ہائے ندامت وپشیمانی ہماری خوشیوں کو ہم سے چھینا جارہا ہے۔ ہزار ہزار نعمتوں والے لمحات سے محروم کیا جارہا ہے، ہمارے دشمنوں کو آزادی ملنے جارہی ہے۔ اب انسانوں کے دشمن کو آزادی ملنے جارہی ہے، شیاطین کو زنجیروں سے خلاصی ملنے والی ہے، اب انسانوں کے دشمن بندوں کا رشتہ بندگی والے مالک سے توڑوانے کے لئے آرہے ہیں اے اللہ ہماری حفاظت فرما، آخرت کی دولت، جنت کی کنجی، عقبیٰ کے سرمایہ والے ماہ مبارک کا جانا باعث مسرت نہیں بلکہ باعث حسرت ویاس ہے۔ خوشی کا محل نہیں غم کا مقام ہے، ہنسی تفریح کا وقت نہیں رونے کی گھڑی ہے۔ گریہ وزاری کا دن ہے، فرقت خیر کا دن ہے، رحمت وبخشش کی باد بہاری کے چھن جانے کا غم ہے۔

الوداع کا پیغام

الوداع کا الوداعی پیغام اپنے چاہنے والوں کے نام! نمازوں کی پابندی کرو، نوافل کی کثرت کرو، رات میں قیام کرو، مُنَزَّلٌ مِنَ السَّمَاءِ کتاب کو سینے سے لگالو، صدقہ وخیرات کرو، رب کریم کے احکام کی پابندی کرو، اللہ سے ڈرو، اپنے آقا کی محبت کو دل میں بساؤ، اُن کے طریقوں سے اپنی زندگی کے نقوش بناؤ۔

اللہ تعالیٰ جملہ مومنین ومومنات کو رمضان اور اس مہینے کی جملہ سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے سرفراز وکامران کرے۔ اٰمین ثم اٰمین بجاہ سیدالمرسلین۔

حج کا بیان

اسلام کی پانچویں بنیاد حج

اسلام کی پانچویں بنیاد حج ہے، حج کا لغت میں معنی قصد وارادہ ہے، لیکن اصطلاح میں حج فقہی مراد ہے یعنی مخصوص ایام میں اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے مکہ مکرمہ میں مخصوص اور مقررہ افعال مخصوص ہیئت کے ساتھ ادا کرنا۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا“ ”اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔(آل عمران ۳، آیت ۹۷)

اس آیت کریمہ سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، حج بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے، حج کرنے والا تمام گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے کہ نومولود لیکن یادرہے کہ حج سے بندوں کے حقوق نہیں معاف ہوتے جب تک کہ وہ اپنا حق معاف نہ کردیں۔ حج کے فرض ہونے کے لئے راستہ کا پُرامن ہونا اور توشہ سفر کا پایا جانا ضروری ہے۔

پوری زندگی میں ایک بار حج فرض ہے، وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جنہیں یہ مبارک موقع ملتا ہے کہ وہ حرمین شریفین اور بلد امین میں پہنچ کر اپنے خالق کی بندگی کرسکیں، اور اس مقدس سرزمین پہ حاضر ہوکر شفاعت نبوی کے حقدار بنیں جس کی صبح وشام پر جنت کی بہاریں نثار، قبۂ شریفہ کی زیارت کا وہ لمحہ کتنا پرکیف ہوگا جہاں قدسیوں کا ہر لمحہ میلا لگا ہوتا ہے، دیار حبیب کی گلیاں جن پر کتنی جنتیں قربان۔ کون بدنصیب ہوگا جو اس سعادت کا طلبگار نہ ہوگا مگر ایسے بھی صاحب دولت ہیں جو دولت اور کاروبار کی حرص

میں اس نعمت وسعادت سرمدی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ ہر بندۂ مومن کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز فرمائے اور اسلام کے تمام ارکان کی تعمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

حج اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے طریقوں میں نہایت اعلیٰ وارفع طریقۂ بندگی کا نام حج ہے، اس لیے کہ حج بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے، ہر مسلمان مکلّف پر پوری زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے، حج کی فرضیت نص قطعی یعنی قرآن کی واضح اور صریح آیت سے ثابت ہے، حج کا منکر کافر ومرتد یعنی اسلام سے خارج ہے، استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرنا فسق وگناہ ہے لیکن جب بھی ادا کیا جائے گا ادا ہی ہوگا۔

حج عبادت وبندگی کیساتھ شعار اسلام بھی ہے، حج سے اسلام کے غلبے اور اعلائے کلمۃ الحق کا پتہ چلتا ہے، مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد اسلامی کا اظہار ہوتا ہے، مسلمانوں کی کثیر جماعت کو دیکھکر کفر لرزتا ہے، وحدانیت اور توحید کے نعروں سے شرک اور کفر کا کلیجہ دہل اٹھتا ہے۔

حج ایک ایسا موقع ہوتا ہے جبکہ مختلف رنگ ونسل اور زبان وتہذیب کے لوگ ایک جگہ ایک لباس، ایک زبان اور ایک انداز میں خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ایک موحد کیلئے زندگی کا یہ سب سے سُنہرا اور حسین موقع ہوتا ہے کہ اسے بلد امین یعنی مکّہ مکرمہ اور شہر رسول مدینہ منورہ میں حاضری کی توفیق ملتی ہے۔

حج کا معنی: لغت میں حج کا معنی قصد وارادہ ہے، اور اصطلاح میں عبادت کی نیت سے کعبہ شریف کے قصد کرنے کا نام حج ہے۔

حج تمام نبیوں نے کیا، پچھلی امتوں پر حج فرض نہیں تھا۔ یہ خصوصیت امت ختم المرسلین کو حاصل ہے کہ اللہ نے حج فرض فرما کر غلامان محمد عربی ﷺ کو حرمین طیبین کی زیارت کا موقع عطا فرمایا۔

(مرأۃ المناجیح جلد چہارم)۔

فرضیت حج: ۸/ہجری میں مکہ فتح ہوا، اور ۹/ہجری میں حج کا حکم نازل ہوا، امام ابن ہمام فرماتے ہیں، ۵ یا ۶ یا ۹/ہجری میں حج فرض ہوا، ہجرت سے قبل حضور نے دو یا تین حج کیے، ہجرت کے بعد ۱۰/ر

ہجری میں حضور نے آخری حج ادا فرمایا، جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، فرض ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے صرف ایک حج کیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا (مرأۃ المناجیح جلد چہارم کتاب المناسک)۔

حج کا سبب: حج کا سبب کعبہ مقدسہ ہے، حج دینا کے کسی اور مقام پہ نہیں ہوسکتا، حج کے مخصوص ارکان ہیں جنہیں مخصوص اور مقررہ ایام میں ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تعمیر کعبہ: کعبہ سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا بیت المعمور کے مقابل، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر فرماتے ہیں، میں نے عرص کی یارسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی، آپ نے فرمایا مسجد حرام، میں نے عرض کی پھر اس کے بعد، آپ نے فرمایا مسجد اقصی، میں نے عرض کی، ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت ہے؟ فرمایا چالیس سال۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی، تو آپ نے فرمایا جہاں بھی نماز کا وقت ہو پڑھ لیا کرو۔ تمام زمین مسجد ہے (تفسیر ابن کثیر جلد اول زیر آیت اِنّ اول بیت)۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت ابوالبشر آدم اور حوّا کے پاس بھیجا کہ کہو کہ آدم کعبہ کی تعمیر کریں حضرت آدم نے حضرت جبریل کے ذریعہ کھینچے ہوئے نشان پر کھودائی کی اور خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ پھر اللہ کے حکم سے آپ ہی نے مسجد اقصی تعمیر فرمائی، اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی اولادوں میں سے کسی نے مسجد اقصی کی تعمیر کی۔ پھر اسی جگہ پہ جہاں حضرت آدم نے کعبہ بنایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ اس گھر کی تعمیر فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصی کو مسجد اقصی کی جگہ پر تعمیر کیا۔ اس لیے کہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ان دونوں مسجدوں کی عمارت ختم ہو چکی تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ '' بیشک پہلا عبادت خانہ جولوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔ بابرکت اور ہدایت والا سارے جہانوں کے لیے، ان میں روشن نشانیاں ہیں، (ان میں ایک) مقام ابراہیم ہے،

اور جو بھی اسمیں داخل ہو محفوظ ہو جاتا ہے' اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر اس گھر کا حج جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔ طاقت کے باوجود جو انکار کرے تو بیشک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے (آل عمران۳ آیت ۹۷)۔

کعبہ معظّمہ عبادت کا پہلا گھر ہے، اور زمین پر اللہ کی بندگی کے لیے سب سے پہلے یہ گھر بنایا گیا۔ تاکہ لوگ یہاں عبادت کریں اور اس گھر کا طواف کریں۔ اللہ کے حکم سے حضرت آدم کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر فرمایا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ حضرت ابراہیم نے کوہ بوقبیس سے لوگوں کو پکارا تھا، آپ کا یہ اعلان مشرق ومغرب تک پہنچا حتی کہ عالم ارواح میں حضرت ابراہیم کی آواز سنی گئی چنانچہ جن لوگوں نے حضرت ابراہیم کی آواز پر لبیک کہا انہیں کو حج وزیارت کی سعادت ملتی ہے اور تا قیامت انشاءاللہ ملتی رہیگی۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ یہ گھر اللہ کا ہے۔ بابرکت ہے اور ہدایت ومغفرت کا سرچشمہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو اس گھر کی زیارت وطواف کے لیے پکارا تھا لیکن تعجب ہے ان یہود ونصاری پر جو اپنے کو حضرت ابراہیم علی نبینا کہ دین پر ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی حج نہیں کرتے۔

بکّہ: مکہ کا مشہور نام ہے۔ اس کو مکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے ظالموں، جابروں کی گردنیں توڑ دیتا ہے۔ یعنی وہ بھی یہاں آکر گردنیں جھکا لیتے ہیں۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی یہاں بھیڑ ہوتی ہے، یا اس لیے کہ لوگ یہاں خلط ملط ہوتے ہیں۔ یعنی عورتیں مردوں کے سامنے نماز پڑھتی ہیں ساتھ میں طواف کرتی ہیں جبکہ دوسری جگہ مردوں، عورتوں کا اختلاط جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے ''فج'' سے ''تنعیم'' تک مکہ ہے اور بیت اللہ شریف سے بطحا تک بکہّ ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کو بکہ کہتے ہیں اور اس کے اردگرد کو مکہ، میمون بن مہران سے بھی یہی مروی ہے۔ مقاتل بن حیان، عطیہ عوفی وغیرہ فرماتے ہیں، بیت اللہ شریف بکہّ اور اس کے علاوہ مکہ ہے'' (تفسیر ابن کثیر مترجم جلد اول)۔

بیت اللہ شریف کے نام: بیت اللہ شریف کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً البیت العتیق،

بیت الحرام، البلد الامین، البلد المامون، اُم الرحیم، ام القریٰ، صلاح، عرش القادس، المقدسۃ، الناسۃ، الباسۃ، الحاطمۃ، الراس، الکوثاء، البلد البیّنۃ، الکعبہ (حوالہ سابق)۔

فِیْـهِ اٰیٰـتٌ بَیِّـنٰـتٌ :اس میں روشن نشانیاں ہیں یعنی مقام ابراہیم ہے، یہ وہ پتھر ہے جس پر کعبہ کی دیواروں کو تعمیر کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے اور آپ کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لا کر آپ کو دیتے تھے (حوالہ سابق)۔

اللہ کے نبی حضرت ابراہیم جس پتھر پر کھڑے ہوئے تھے اس پتھر پر آپ کے قدموں کے نشان پڑ گئے حالانکہ یہ بات خلاف عقل ہے، کہ انسان کے قدم کا نشان پتھر پر ظاہر ہو چونکہ پتھر سخت ہوتا ہے لیکن نبی کے قدم کا اثر تھا کہ پتھر کا کلیجہ شق ہو گیا اور آپ کے کھڑے ہونے کی جگہ پر نشان پڑ گیا۔ اسی کو اللہ نے آیت سے تعبیر فرمایا اور وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی میں اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ پہ نماز ادا کرو، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ والوں کی نشانیوں اور تبرکات کے وسیلے سے دعاء کرنا قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْـــتٍ وُّضِـعَ کے تحت تفسیر تبیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یہود کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ جب نبی ﷺ نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بتایا تو یہود کہنے لگے کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے اور وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، کیونکہ بیت المقدس کو کعبہ سے پہلے بنایا گیا۔ اور اسی جگہ حشر ہوگا۔ اور تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کا قبلہ بھی یہی ہے۔ ان کے اس شبہے کا جواب اس آیت میں دیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ پہلے کعبہ بنا ہے پھر بیت المقدس اور کعبہ ہی افضل ہے نہ کہ بیت المقدس، یہود و نصاریٰ میں سے ہر فرقہ اس بات کا دعویدار تھا کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہے اللہ نے ان کی تردید فرما دی کہ وہ ملت ابراہیمی پر اگر ہوتے تو ضرور حج کرتے اور ابراہیم علیہ السلام کے بنائے گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے (تفسیر تبیان القرآن آل عمران آیت ۹۶ کے تحت)۔ **وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا** ؕ اور اللہ کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے جو صاحب استطاعت ہیں۔ (آل عمران آیت ۹۷)

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک **وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ** اور حج وعمرہ اللہ کے لئے پورا کرو (البقرہ آیت ۱۹۶) سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

حج اور عمرہ کی اگر آدمی نیت کرے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ نیز حج اور عمرہ خالص اللہ کی بندگی کی نیت سے کرنی چاہیے، یہ نہیں کہ کسی کام سے جانا ہوا تو سوچا کہ چلو آ گئے ہیں تو حج وعمرہ بھی کر لیں۔

فضائل حج: حضرت ابوھریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے حج کیا اور اسمیں جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا (تبیان القرآن ج دوم ص ۲۷۵)۔

حضرت ابوھریرہ سے دوسری روایت ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے لیکر دوسرا عمرہ اس کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے (حوالہ سابق)۔

روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں۔ ہم پر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے لوگوں! تم پر حج فرض کیا گیا۔ لہٰذا حج کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا ہر سال حضور خاموش رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین بار کہا، تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس میں تجھ کو آزادی دوں، کیوں کہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ ہی ہلاک ہوئے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے کر گزرو اور جب تمہیں منع کروں تو اسے چھوڑ دو (مرأۃ المناجیح جلد چہارم ص ۹۹)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ نے یہ اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ جس چیز کو فرض و واجب فرما دیں وہ ضروری اور لازم ہو جائے اور جس چیز سے منع فرما دیں وہ ناجائز وحرام ہو جائے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جب میں کسی بات کا حکم دوں تو حتیٰ المقدور اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کر دوں اسے ترک کر دو۔

گویا کہ آپ کا حکم خدا کا حکم ہے اور آپ کا کسی چیز سے منع فرمانا اللہ رب العزت ہی کا منع فرمانا ہے۔

حضرت ابوھریرہ ہی سے یہ بھی مروی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! کونسا عمل بہتر ہے، آپ نے فرمایا، اللہ ورسول پر ایمان لانا پھر عرض کیا گیا پھر کون سا، فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، عرض کیا گیا پھر کونسا فرمایا حج مقبول (مرأۃ المناجیح جلد چہارم ص۱۰۰)۔

حج مقبول: مقبول حج وہ ہے، جسے حاجی خالص اللہ کے لیے کرے اور دوران حج نہ اپنی بیوی سے مجامعت کرے نہ اس طرح کی کوئی بات کرے، نہ کوئی گناہ کرے اور نہ جھگڑا کرے۔

حضرت ابوھریرہ ہی سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مَنۡ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمۡ یَرۡفُثۡ وَلَمۡ یَفۡسِقۡ رَجَعَ کَیَوۡمٍ وَلَدَتۡهُ اُمُّهٗ۔
جس نے حج کیا اللہ کے لیے تو نہ فحش کلامی کرے اور نہ فسق کی باتیں تو اس طرح لوٹیگا جیسے اس کی ماں نے آج جنا (مرأۃ المناجیح جلد چہارم ص۱۰۱)۔

شرائط حج: اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سیدنا شیخ احمد رضا خان فاضل بریلوی تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں حج ہر مسلم آزاد، بالغ صحت مند پر فرض ہے۔ یعنی ہر اس آفت سے محفوظ ہو جس کے باوجود سفر نہیں کیا جاسکتا، پس لولے، فالج زدہ اور ایسے بڑے بوڑھے پر حج فرض نہیں جو سواری پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح نابینا پر بھی حج فرض نہیں اگرچہ اس کا معاون ہو (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص۷۰۰)۔

صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی نے فرمایا کہ حج واجب ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں۔
جب تک وہ سب نہ پائی جائیں حج فرض نہیں۔

(۱) اسلام (۲) اگر دارالحرب میں ہو تو یہ جانتا ہو کہ اسلام کے فرائض میں سے حج ہے۔ (۳) بلوغ (۴) عاقل ہونا، مجنون اور پاگل پر حج فرض نہیں۔ (۵) آزاد ہونا یعنی غلام اور باندی پر حج فرض نہیں۔ (۶) تندرست ہو کہ حج کو جاسکے۔ (۷) سفر خرچ کا مالک ہو یعنی اتنا پیسہ ہو کہ ایام سفر

کا خرچ پورا ہو سکے نیز جن کا نفقہ اس پر واجب ہے وہ پورا ہو سکے حج سے واپس آنے تک۔ (۸) حج کا وقت پایا جانا (بہار شریعت حصہ ششم ص۸،۹،۱۰)۔

حج فرض ہونے کے لیے ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو حج فرض نہیں۔

فرائض حج

(۱) احرام: یہ شرط ہے
(۲) حج کی نیت
(۳) وقوف عرفہ۔ یعنی نویں ذی الحجہ کے آفتاب ڈھلنے سے دسویں کی صبح صادق سے پہلے تک کسی وقت عرفات میں ٹھہرنا۔
(۴) طواف زیارت یعنی اس کے سات پھیروں میں سے چار پھیرے فرض ہیں۔
(۵) وقت۔ یعنی ہر فرض کو اس کے وقت میں ادا کرنا۔
(۶) مکان۔ یعنی وقوف کے لیے سارا میدان عرفات ہے سوا ''بطن عرنہ'' کے اور طواف کا مکان مسجد الحرام شریف ہے۔ اگر خانۂ کعبہ کا طواف مسجد الحرام کے باہر سے کیا جائے تو معتبر نہیں۔
(۷) ترتیب۔ یعنی پہلے احرام باندھنا، پھر وقوفِ عرفہ، پھر طواف زیارت، فرض کا مطلب ہے کہ اگر کوئی ایک بھی بات اس میں چھوٹ گئی تو حج نہیں ہوا۔

واجبات حج: واجبات حج میں سے اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو حج ناقص ہوگا۔ اس کی تلافی کے لیے دم دینا پڑیگا۔

(۱) میقات یا اس سے پہلے احرام باندھنا۔
(۲) صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا۔
(۳) سعی کو صفا سے شروع کرنا۔

(۴) اگر عذر نہ ہوتو پیدل سعی کرنا۔

(۵) سعی کا طواف کے بعد ہونا یعنی کم ازکم چار پھیروں کے بعد۔

(۶) آفتاب ڈوبنے تک وقوف عرفہ میں مشغول رہنا۔

(۷) مزدلفہ میں وقوف کرنا۔

(۸) مغرب وعشاء کی نماز مزدلفہ میں آکر عشاء کے وقت میں پڑھنا۔

(۹) دسویں کوصرف جمرۃ العقبہ پررمی کرنا اور گیارہویں، بارہویں کوتینوں جمروں پررمی کرنا

(۱۰) جمرۂ عقبہ کی رمی پہلے دن بال منڈانے سے پہلے ہونا۔

(۱۱) ہرروز کی رمی اسی دن ہونا۔

(۱۲) سرمونڈانا یا بال کتروانا۔

(۱۳) حلق یا تقصیر کا ایام نحر اور حرم میں ہونا۔

(۱۴) قران اور تمتع والے کو قربانی کرنا۔

(۱۵) اس قربانی کا حرم اور ایام نحر میں ہونا۔

(۱۶) طواف زیارت کا اکثر حصہ ایام نحر میں ہونا۔

(۱۷) طواف حطیم سے باہر ہونا۔

(۱۸) کعبہ کے داہنی طرف سے طواف کرنا کہ کعبہ بائیں جانب ہو۔

(۱۹) عذر نہ ہوتو پیدل طواف کرنا۔

(۲۰) طواف کرنے میں باوضو ہونا۔

(۲۱) طواف کرتے وقت ستر کا چھپا ہونا، ایک عضو کا چوتھائی یازائد کھلا رہا تو دم واجب ہوگا۔

(۲۲) طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، نہ پڑھی تو دم واجب نہیں۔

(۲۳) رمی، قربانی، حلق، میں ترتیب۔

(۲۴) طواف وداع یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لیے رخصت کا طواف۔

(۲۵) وقوف عرفہ کے بعد سرمونڈانے اور طواف زیارت کرنے تک جماع نہ ہونا (کتاب الحج از مولانا فیضان المصطفیٰ قادری)

حج کی سنتیں: (۱) طواف قدوم! یعنی میقات سے باہر والوں کے لیے مکہ معظّمہ میں حاضری پر پہلا طواف۔طواف قدوم حج افراد اور قران والوں کے لیے سنت ہے، تمتع والوں کے لیے نہیں۔

(۲) طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا۔

(۳) طواف قدوم یا طواف فرض میں رمل کرنا۔

(۴) صفاومروہ کی سعی کرتے ہوئے میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا (مردوں کے لیے)

(۵) آٹھویں کی فجر کے بعد مکہ سے روانہ ہونا تاکہ منی میں پانچ نمازیں پڑھ لی جائیں۔

(۶) نویں رات منی میں گذارنا۔

(۷) آفتاب نکلنے کے بعد منی سے عرفات کو روانہ ہونا۔

(۸) وقوف عرفہ کے لیے غسل کرنا۔

(۹) عرفات سے واپسی میں مزدلفہ میں رات کو رہنا۔

(۱۰) آفتاب نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منی کو روانہ ہونا۔

(۱۱) گیارہویں اور بارہویں کی شب منی میں گذارنا اور اگر تیرہ کو منی میں رہنا ہوتو تیرہویں شب بھی گذارے (کتاب الحج)۔

ہر حاجی کو شرائط، فرائض، واجبات اور سنتوں کو جاننا چاہئے تاکہ حج کے دوران غلطیوں سے بچا جاسکے اور اگر کوئی غلطی واقع ہوجائے تو اس کی تلافی ہوسکے۔

تارکین حج کے لیے وعیدیں!

ابوامامہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے حج کرنے سے نہ حاجت ظاہر مانع ہوئی نہ بادشاہ ظالم نہ کوئی ایسا مرض جو روک دے پھر بغیر حج کے مرگیا تو چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر (بہار شریعت حصہ ششم)۔

حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! جوشخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہوجس کے ذریعہ وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی افسوس نہیں خواہ وہ یہودی ہوکر مرے خواہ نصرانی ہوکر مرے، اس حدیث کو ترمذی اور امام بیہقی نے حارث کی سند سے روایت کیا ہے (تبیان القرآن جلد دوم ص ۲۷۹)۔

حضور نے کتنے عمرے کیے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے ہیں اور یہ سب ذوالقعدہ میں کیے ہیں سوا اس عمرہ کے جو آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا تھا، ایک عمرہ حدیبیہ تھا جو (صلح) حدیبیہ کے زمانے میں ذوالقعدہ میں کیا، دوسرا اس کے بعد والے سال ذوالقعدہ میں کیا، تیسرا عمرہ جعّرانہ جب آپ نے غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا، یہ بھی ذوالقعدہ میں کیا، اور چوتھا عمرہ آپ نے حج کے ساتھ کیا (شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج ص ۴۷۸)۔

حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور نے چار عمرے کیے، ان میں ایک عمرہ رجب کے مہینے میں کیا، اُمُّ المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رجب کے مہینے میں حضور کے عمرہ کا انکار فرماتی ہیں۔ آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔

پہلا عمرہ ۶ رہجری صلح حدیبیہ کے موقع پر ذوالعقدہ میں، دوسرا ۷ رہجری میں جسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے، تیسرا عمرہ ۸ رہجری میں فتح مکہ کے سال فرمایا اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے سال کیا، احرام ذوالعقدہ میں باندھا اور اس کے افعال ذوالحج میں کیے۔

علامہ قاضی عیاض کے مطابق حضور نے صرف تین عمرے فرمائے ہیں، ان کے نزدیک حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے صرف حج اِفراد کیا، عمرہ نہیں کیا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ چار عمرے فرمائے اور سب ذوقعدہ میں کیے (شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج ص ۴۸۰/۴۸۱)۔

عمرہ: عمرہ کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھ کر طواف وسعی کرے اور اس کے بعد حلق کرائے، عمرہ ہوگیا، رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بہت زیادہ حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

حج اکبر: حج اکبر کسے کہتے ہیں، اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے۔ جس سال عرفہ جمعہ کو پڑے، وہ حج اکبر ہے۔

فضائل مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کے فضائل میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ نیز علمانے مدینہ منورہ کے خوب فضائل اور حکمتیں بیان کیے ہیں، مدینہ شریف جسے پہلے یثرب کہا جاتا تھا،حضور نے یثرب بدل کر اس کا نام مدینہ رکھ دیا،حضور کی آمد سے قبل یہ شہر بیماریوں کا مرکز تھا،تندرست جاتا تو بیمار ہو جاتا تھا،مگر حضور اکرم کی تشریف آوری کے بعد مدینہ کی آب و ہوا خوشگوار اور صحت افزا ہوگئی، یہاں کی خاک خاک شفا بن گئی، یہ سب کچھ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے قدم پاک کی برکت کے سبب ہوا۔

مکہ مکرمہ حضور کا مولد شریف ہے، جہاں حضور اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے، اہل مکہ کے پیہم ظلم وستم نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ پس اللہ نے حکم دیا کہ آپ مدینہ منورہ ہجرت فرمائیں، مکہ جہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی وہاں لوگوں نے آپ کا رہنا دوبھر کر رکھا تھا، کفار مکہ کی طوفان بد تمیزی ایک آن بھی رکنے کا نام نہیں لیتا تھا، پورا مکہ آپ کی عداوت میں رچ بس گیا تھا، ایسے میں اللہ نے اہل مدینہ کے قلوب کو آپ کی طرف مائل کر دیا، اہل مدینہ روزانہ صبح وشام پیغمبر اسلام کی آمد کا انتظار کرتے، اخیر کار بحکم الٰہی حضور مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائے اور اس سرزمین کو اپنا مسکن بنایا اور پھر نبی مکرم کے مدفن ہونے کا شرف بھی اس شہر مبارک کو حاصل ہوا۔

پیغمبر اسلام کی دعوت اور پیغام نیز جملہ فتوحات اسی شہر مبارک سے انجام پذیر ہوئے۔ اللہ نے اپنی رحمتوں اور برکتوں کے خزانوں کی کنجی اس مبارک شہر میں رکھی۔ حضور اکرم ﷺ جب کسی سفر سے تشریف لاتے تو مدینہ شریف کے قریب پہنچ کر سواری کو تیز کر دیتے، یہ اس لیے تھا کہ آپ وفور شوق

سے بے قرار ہو جاتے کہ جلد از جلد مدینہ پہنچ جائیں، آپ کا قلب مبارک جہاں پہنچ کر سکون پاتا، شانۂ مبارک سے چادر بھی نہ اُتارتے اور فرماتے تھے کہ یہ ہوائیں طیّبہ ہیں۔

جو اپنے چہرہ اور سر کو گرد وغبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ منع فرماتے اور کہتے کہ خاک مدینہ میں شفاء ہے، حضرت علی نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ شیاطین کی عبادت کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو برائی کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں۔

حضور سرور مدینہ، راحت قلب وسینہ جناب آقا ومولیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو اس شہر کریم میں اقامت کی ترغیب دی ہے اور اس شہر پاک میں موت کو پسند فرمایا ہے، حضور کا ارشاد گرامی ہے، جو شخص مدینہ میں انتقال کرے اس کے لیے میں قیامت کے دن شفیع ہوں گا، اسی طرح آقائے نامدار ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے میری شفاعت سے مشرف ہوں گے وہ اہل مدینہ ہوں گے اس کے بعد اہل مکہ پھر اہل طائف (راحت القلوب ترجمہ جذب القلوب)۔

حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ نے فرمایا کہ جو شخص مدینہ منورہ میں پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کرے گا میں روز قیامت اس کے لیے شفیع وشاہد ہوں گا۔

ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مدینہ کی حیثیت ایک بھٹی کی سی ہے جو دھات کو میل سے پاک وصاف کر کے شفاف بنا دیتی ہے (شفاء از قاضی عیاض مالکی حصہ دوم)۔

عبداللہ بن زید بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور مکہ والوں کے لیے دعاء کی تھی، اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صاع اور مُدّ (پیمانوں کے نام ہیں) میں حضرت ابراہیم سے دو چند دعاء کرتا ہوں۔

وھب کی روایت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جتنی دعائیں کی تھی میں اُس کی دو چند دعائیں کرتا ہوں اور عبدالعزیز بن مختار کی روایت میں ہے جتنی دعائیں حضرت ابراہیم نے کی تھی اتنی دعائیں کرتا ہوں۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں اس کو دونوں پتھریلے کنارے یعنی مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں (شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج حدیث ۳۲۱۱، ص ۷۱۶)۔

ان تینوں احادیث مبارکہ سے مدینہ منورہ کی عظمت شان کا پتہ چلتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو مدینہ سے کتنی زیادہ محبت تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں گُھل جاتا ہے (حوالہ سابق ص ۷۳۸ حدیث ۳۲۵۴)۔

ایک روایت میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ جتنی برکتیں مکہ میں نازل کی اس کی دوگنی برکتیں مدینہ میں نازل فرما (حوالہ سابق حدیث ۳۲۲۲)۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ مدینہ میں طاعون اور دجال نہیں داخل ہوسکتے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا وہ مدینہ میں داخل ہونیکا ارادہ کریگا حتیٰ کہ احد پہاڑ کے پیچھے اُترے گا اور فرشتے وہیں سے اُس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوجائیگا (حوالہ سابق حدیث ۳۲۴۷، ص ۷۳۲)۔

مکہ افضل ہے یا مدینہ: حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں، تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدود مدینہ منورہ کا ادب واحترام مکہ معظّمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر اختلاف اس میں ہے کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا حلال ہے یا حرام، اگر حرام ہے تو اس کی جزا یعنی فدیہ یا کفارہ واجب ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حدود مدینہ شریف کی عزت وعظمت اپنی جگہ مُسلّم مگر وہاں شکار کرنا حلال اور درخت وغیرہ کا ٹنا بھی درست ہے، بعض ائمہ کے یہاں حرم مدینہ میں شکار تو حرام ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں، بعض کے یہاں جزا واجب ہے، بعض کے نزدیک وہاں پرندوں کا شکار حلال ہے، چرندوں کا حرام (مرأۃ المناجیح جلد چہارم باب حرم

المدینہ ص ۲۲۹)۔

مکہ اور مدینہ کی افضلیت کا دارومدار حضور اکرم ﷺ اور کعبۃ اللہ کی نسبت پر موقوف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ مکہ کو افضل بتاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ میں اللہ کا گھر ہے، صفا اور مروہ ہے، مقام ابراہیم اور حجر اسود ہے، حج جیسی اہم عبادت مکہ میں ہوتی ہے، حج کے تمام ارکان مکہ میں ادا کیے جاتے ہیں، دوسرا طبقہ جو مدینہ منورہ کو افضل بتاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مکہ میں اگر کعبۃ ہے تو مدینہ میں حضور کا روضہ ہے، مکہ اگر حرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے۔ مکہ میں حج کے ارکان ادا کیے جاتے ہیں تو مدینہ میں حج کی قبولیت کی ضمانت ملتی ہے۔ مکہ میں نبی کا مولد ہے تو مدینہ نبی کا مدفن ہے، اور اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں کہ زمین کا وہ حصہ جو حضور اقدس ﷺ کے جسم اطہر سے لگا ہوا ہے وہ سارے جہان حتیٰ کہ کعبہ اور بعضوں نے فرمایا کہ عرش بریں سے بھی افضل ہے، اس لیے کہ کعبہ اور عرش اور ساری کائنات مخلوق ہیں اور یہ بات تحقیق کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ تمام مخلوقات میں افضل وبالا ہیں۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَآءِ کَمَا کَانَ حَقُّہُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سیدنا مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی

امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے اور امام ابوحنیفہ اور شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں مُسند ابویعلی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "نبی پر اس جگہ موت طاری کی جاتی ہے جو جگہ نبی کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور جو جگہ نبی کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ اللہ کو بھی محبوب ہے اور جو جگہ اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب ہوگی وہ جگہ افضل ہوگی۔ (شرح صحیح مسلم ج سوم کتاب الحج ص ۷۳۵/۷۳۶)

حاکم کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے دعاء کی اے اللہ! تو نے مجھے اس شہر سے ہجرت کا حکم دیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اب مجھے اُس شہر میں بسانا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ (شرح صحیح مسلم ج سوم ص ۷۳۶)

اس سلسلے میں علامہ غلام رسول سعیدی نے علامہ سمہودی کا جواب نقل کیا ہے۔ جو لا جواب ہے۔ حضور نے فرمایا مجھے مکہ پسند تھا۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مکہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے، اس کا جواب علامہ سمہودی نے یہ دیا ہے کہ جب تک حضور مکہ میں رہے مکہ افضل تھا اور جب مدینہ تشریف لائے مدینہ افضل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر مدینہ میں اقامت فرض فرمائی اور آپ نے اپنی امت کو مدینہ میں رہنے اور وہیں مرنے پر اُبھارا، پس مدینہ کیونکر نہ افضل ہوگا (شرح صحیح مسلم جلد ثالث۔ ص ۷۳۶)۔

روضہ اطہر

یہ بات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جس جگہ آرام فرما ہیں یعنی زمین کا وہ حصہ جو سرکار اقدس ﷺ کے جسد اطہر سے لگا ہوا ہے وہ ساری کائنات سے افضل و بہتر ہے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: قاضی عیاض اور دوسرے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جس جگہ کے ساتھ نبی ﷺ کا جسم مبارک متصل ہے، وہ کعبہ سے بھی افضل ہے اور اختلاف قبر مبارک کے ماسوا میں ہے، اور ابن عقیل حنبلی نے نقل کیا ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے، اور فاکہانی نے تصریح کی ہے کہ یہ جگہ آسمانوں سے افضل ہے، اور کہا کہ ظاہر اور متعین یہ ہے کہ تمام روئے زمین اور تمام آسمانوں سے افضل ہے۔ یعنی اس جگہ کے ماسوا جس کے ساتھ نبی ﷺ کا جسم متصل ہے۔

علامہ علائی و علامہ شامی نے بھی اُس حصۂ زمین کو کعبہ و عرش سے افضل بتایا جو نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے متصل ہے۔

علامہ ابوالولید باجی متوفی ۴۷۴ھ اور ابن عقیل حنبلی متوفی ۵۱۳ھ اور قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ وغیرہ کے نزدیک قبر مبارک سب سے افضل ہے۔

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی لکھتے ہیں: نبی ﷺ ہی فضیلت کا باعث ہیں یہ امت خیر امت

آپ ہی کی وجہ سے ہے تو پھر آپ کی قبر انور تمام روئے زمین سے افضل کیوں نہیں ہوگی، جبکہ آپ منبع حسنات و خیرات ہیں، آپ کی قبر شریف پر آنا اور آپ کی زیارت کرنا، آپ کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ کا سوال کرنا تمام عبادات سے افضل ہے اور آپ کی قبر شریف کے پاس دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس موضوع پر شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، جو زائد کا متمنی ہو شرح صحیح مسلم اور جذب القلوب الی دیار المحبوب وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

زیارت قبر مبارک

قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور تمہارے حضور حاضر ہو کر اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔ (النساء ۴، آیت ۶۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے صاف صاف یہ فرمایا کہ گنہگار اگر نبی کی بارگاہ میں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے ہیں تو اللہ کو توبہ قبول فرمانے اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی قید نہیں ہے کہ یہ اعلان صرف حیات ظاہری کے لیے ہے بلکہ یہ آیت مطلق ہے، حضور کی ظاہری حیات میں یا بعد وصال آپ کی قبر شریف کی برکتوں کی وجہ سے اللہ عزوجل دعائیں قبول فرماتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حضور کا وسیلہ زیادہ اہم و اعظم ہے، نیز حیات ظاہری یا بعد وصال ہمیشہ امت کے لئے حضور جائے پناہ اور ذریعہ نجات و ہدایت ہیں۔

مشہور دیوبندی عالم مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے، پہلی روایت ابن مبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش نہ

کیے جاتے ہوں۔

دوسری روایت مشکوۃ میں حضرت ابو درداء سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ اور یہ رزق اُس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہدا کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں اُن سے اکمل واقوی ہے۔

تیسری روایت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں (نشر الطیب فی ذکر الحبیب ص ۱۴۱-۱۴۰ مولانا اشرف علی تھانوی)۔

زیارت قبر النبی ﷺ

اور آپ کی قبر شریف کی زیارت میں صحیح حدیثیں آئی ہیں چنانچہ دار قطنی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میرے قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی (حوالہ سابق)۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب سے یہ حدیثیں اس لیے نقل کیا ہے کہ دیوبندی وہابی علما اور عوام کی آنکھیں کھلیں۔ دیوبندی مولوی عام طور پر عوام الناس میں یہ بات پھیلاتے ہیں کہ بریلوی قبر پجوا ہیں، اب دیوبندی عوام اور علماء کو چاہیے کہ پہلے مولانا تھانوی پر قبر پجوا کا فتوی لگائیں نیز ان کو بدعتی اور مشرک قرار دیں۔

اس لیے کہ مولانا تھانوی نے نبیوں کو زندہ بھی مانا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اپنی قبروں میں اپنی شان کے لائق رزق پاتے ہیں، مزید یہ کہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، پھر یہ کہ حضور پر روزانہ صبح و شام آپ کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اس سے حضور کا زندہ ہونا، حاضر و ناظر ہونا وہ سب کچھ ثابت ہوتا ہے جس کے جواز کے قائل علمائے اہلسنت ہیں۔

علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ مبارک پر حاضری سے متعلق لکھتے ہیں۔ روضۂ مبارک کی زیارت ملت مسلمہ کے افراد کے لیے عزت و شرف کا ہی سبب نہیں بلکہ تمام علمائے اُمّت کا اسی پر اجماع ہے کہ یہ شرف و عزت مسنون بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سرور دو عالم ﷺ کا فرمان مبارک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے ''حضور فرماتے ہیں جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ ایسی ہی ایک حدیث انس بن مالک نے روایت فرمائی کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نے فرمایا جس نے اجر و ثواب کے حصول کے لیے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ میری پناہ میں آ گیا، اور قیامت میں میں اس کا شفیع ہوں گا اور آگے ارشاد ہوا کہ جس نے وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے حیات ظاہری میں زیارت کی (شفاء شریف حصہ دوم ص ۱۴۵)۔

طبرانی کبیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضور نے فرمایا جو میری زیارت کو آئے سوا میری زیارت اور کسی حاجت کے لیے نہ آیا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں (بہار شریعت حصہ ششم ص ۹۵ مطبع فرید بک ڈپو، باب حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ)۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت سنت قریب واجب ہے، حصول شفاعت اور قبولیت دعاء کا سبب ہے، ابتدائے اسلام سے لیکر جملہ مسلمانوں کے نزدیک یہ بات متفق علیہ رہی کہ جب حضور نے قبور مسلمین کی زیارت کی اجازت خود عطا فرمادی تو یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ آپ کی قبر شریف کی زیارت ناجائز و حرام ہو جائے، بلکہ صحیح اور درست یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کی زیارت نہ کرنا محرومی اور بدقسمتی کی بات ہے۔

سب سے پہلے ابن تیمیہ نے یہ مسلۂ اٹھایا اور اسلام میں ایک نئے فتنے کو جنم دیا کہ قبر انور کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا ناجائز و حرام ہے، اور اس زمانے میں غیر مقلد وہابی اور بہت سارے جاہل دیوبندی مسلمانوں کو مزارات کی زیارت سے روکتے ہیں بلکہ سعودیہ حکومت اپنے کارندوں کے ذریعہ زائرین کو پریشان کرتی ہے کہ کوئی شخص قبر مبارک کی زیارت کی غرض سے نہ آئے بلکہ مسجد نبوی کی نیت

سے آئے، قبر النبی کے سامنے کھڑے نہ ہو، ہاتھ اُٹھا کر دعاء نہ کرے۔ قبر شریف کی طرف نہ رخ کرے
اور روضۂ مبارک کی طرف پیٹھ کرے، کوئی سلام نہ پڑھے معاذ اللہ

یہ مسلمان ہیں انہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

جو جور وستم یہودی فلسطین میں نہیں انجام دیتے وہ یہ سعودی نجدی حجاز مقدس میں مسلمانوں کے ساتھ
برتتے ہیں۔ اور اپنے کو توحید کا ٹھیکدار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تھوڑی بھی عقل وبصیرت والا انسان یہ سمجھ لیتا
ہے کہ اگر قبر انور کی کوئی برکت اور حیثیت نہ ہوتی تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حضور کے قدموں
میں کیوں دفن ہوتے!

حالانکہ خود مملکت سعودیہ عربیہ کے مرکز بحوث ودراسات مدینہ منورہ کی جانب سے شائع ہو
نے والی کتاب ''مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں'' مرتبہ استاذ احمد محمد شعبان کے صفحہ ۳۲/ پر لکھا ہے،
مدینہ طیبہ میں کچھ مقامات ایسے ہیں جن کی زیارت کی رسول اللہ ﷺ نے ترغیب فرمائی یا آپ بذات
خود ان جگہوں کی زیارت فرماتے تھے، یہ مقامات درجہ ذیل ہیں، مسجد نبوی شریف، مسجد قباء، بقیع
قبرستان، شہدائے اُحد کے مزارات۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۴/ پر زیارت کے آداب کے عنوان سے لکھا ہے۔ زیارت کے لیے کوئی
وقت مقرر نہیں، یہ کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، زیارت کرنے والے کو چاہئے کہ عمومی آداب کے ساتھ
درجہ ذیل باتوں کا بھی اہتمام کرے: اپنی رہائش سے طہارت وپاکیزگی کا اہتمام کرے، خوشبو لگائے،
مسجد نبوی کی طرف وقار وشائستگی کے ساتھ چلے، اللہ تعالی کے لیے خشوع وخضوع کی کیفیت ہو، زبان
پر درود شریف کا ورد ہو، مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر اندر رکھے اور یہ دعاء پڑھے۔
''**بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح
لی ابواب رحمتک**'' داخل ہوکر پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھے اور اگر ہو سکے تو یہ دو رکعت
ریاض الجنۃ میں پڑھے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی قبر کا رُخ کرے: یہاں درج ذیل آداب کا خیال رکھے۔
مواجہ شریف یعنی جالیوں کے سامنے کھڑا ہو رُخ قبر اطہر کی جانب ہو اور پشت قبلہ کی سمت ہو، اس

مبارک گھڑی میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کے بلند مقام کا دھیان کرے۔ آواز بلند نہ کرے، نہ
دعاء میں نہ سلام پیش کرنے میں، اور رسول اللہ ﷺ پر سلام پیش کرے۔ پھر ایک قدم داہنی سمت کو چلے اور
کھڑے ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرے پھر اسی طرح ایک قدم مزید داہنی طرف کو چلے اور
حضرت عمر کو سلام کرے (مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں ص ۳۴ مرتبہ استاذ احمد محمد شعبان مطبوعہ مرکز
بحوث ودراسات مدینہ منورہ ترجمہ محمد جاوید اشرف مدنی ندوی)۔

مذکورہ بالا سطریں علی الاعلان اس بات کی شہادت پیش کررہی ہیں کہ حضور کی قبر اطہر کی
زیارت کرنا چاہئے اور آپ پر پورے ادب واحترام کے ساتھ سلام پیش کرنا چاہیے، نیز یہ بھی مذکورہ ہوا
کہ حضور خود بقیع قبرستان مسجد نبوی شریف، مسجد قباء، اور شہداے احد کی زیارت فرماتے اور صحابہ کو
ترغیب دلاتے، کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ بزرگوں اور اہل اللہ کے قبور کی زیارت شرک و
بدعت نہیں بلکہ باعث خیر وبرکت ہے۔

وہابی حکومت کی جانب سے چھپنے والی کتاب میں بھی نبی پر سلام پیش کرنے نیز ابوبکر وعمر رضی
اللہ عنہما پر سلام پیش کرنے اور ان مقامات متبرکہ کے آداب بجالانے کی تصریح کی گئی ہے، پھر کس منہ
سے دیوبندی اور بالخصوص غیر مقلد نام نہاد اہل حدیث سلفی عام مسلمانوں کو مزارات صالحین کی زیارت
سے منع کرتے ہیں اور زیارت کرنے والوں پر شرک کا فتوی لگاتے ہیں پہلے تمام غیر مقلدین کو چاہئیکہ
مل کر اس حکومت پر اپنا فتوی لگائیں جس نے یہ کتاب چھپوائی اور اس طرح کی بات لکھی لیکن غیر مقلد
مولوی ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ خود نجدی حکومت کے زر خرید غلام ہیں، انہیں کی دولت پہ یہ
عیش وعشرت کی محفلیں سجاتے اور سنوارتے ہیں۔

امام الائمہ، سراج الامتہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی، ابن عمر
نے کہا **مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَاْتِیَ قَبْرَ النبیّ صلّی اللہُ علیہ وسلم مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ
وَیَجْعَلَ ظَهْرَکَ اِلَی الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِکَ ثُمَّ تَقُوْلُ السلام
علیک ایها النبیُّ ورحمة الله وبرکاته** مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو نبی ﷺ کی قبر شریف پر

قبلہ کی طرف سے آئے ،قبلہ کو پیٹھ ہواور قبر کی طرف چہرہ ہو پھر کہے توالسلام علیك ایّھا النّبیّ ورحمة اللّٰہ وبرکاته (مسندامام اعظم ص۲۰۶)۔

باغ جنت

حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید انصاری سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے،قدرے اضافہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے،سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں حضور نے فرمایا: میرے بیت اور منبر کے درمیان ، یا میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے،اس مفہوم کی اور بھی کئی روایتیں ہیں جن کا ذکر طوالت کے سبب سے موقوف کیا جارہا ہے۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور نے اپنی قبر شریف اور منبر کے درمیان کی جگہ کو جنت کا باغ قرار دیا ہے تو کیا یہ حقیقت پہ محمول ہے یا فقط اس کی فضلیت بیان کرنا مقصود ہے۔

علامہ عبداللہ وشتانی مالکی نے اس کا حقیقی معنی مراد لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ یہ جگہ بنفسہ جنت کا ایک ٹکڑا ہو، یہ امر ممکن ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے لہٰذا اس کا ماننا ضروری ہے۔

حقیقی معنی مراد لینے پر جن لوگوں نے ایرادات قائم کیے اور شبہات کا اظہار کیا ان سب کا آپ نے بھر پور رد کیا۔

بعض علماء نے اس حدیث کی تاویل اس طرح بیان کی ہے ، علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ جگہ

نزول رحمت اور حصول سعادات میں جنت کی مثل ہے،اور ایک قول یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کرنا دخول جنت کا سبب ہے یا یہ جگہ جنت ہی میں منتقل کردی جائے گی۔(شرح صحیح مسلم کتاب الحج)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مدینہ منورہ میں داخل ہونے نیز قبر مطہر ومنور کی زیارت شریف کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- اس سفر سراپا ظفر میں نیت لحاظ غیر سے خالی اور درود شریف وذکر شریف حضور انور ﷺ کی نہایت کثرت کرے جب حرم مدینہ میں داخل ہوا حسن یہ ہے کہ سواری سے اُتر پڑے،روتا،سر جھکائے،آنکھیں نیچی کیے چلے،ہو سکے تو برہنہ پیر بہتر ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا، ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

جب نگاہ قبہء سعادت و بُرج کرامت پر پڑے صلوۃ وسلام کی کثرت کرے،جب خالص شہر اقدس تک پہنچے،قبل دخول ورنہ بعد دخول مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے سے قبل اچھی طرح وضو وغسل ومسواک کرے،سفید،پاکیزہ کپڑا زیب تن کرے،نیا ہو تو بہتر ہے،خوشبو لگائے،مشک افضل ہے،جب دروازۂ شہر میں داخل ہو تمام ہمت اپنی صلوۃ وسلام کے خوب پڑھنے میں صرف کرے،مراقبۂ جلال وجمال،محبوب ذی الجلال ﷺ میں ڈوب جائے۔

یہ آداب مسجد نبوی شریف اور شہر طیبہ کے ہیں،مسجد نبوی کے معمولات سے فراغت کے بعد

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بیقرار۔ روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے۔

اب وقت وہ آیا کہ منہ اس کا مثل دل کے اس شباک پاک کی طرف ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے ﷺ گردن جھکائے،آنکھیں نیچی کیے،لرزتا،کانپتا،بید کی طرح تھر تھراتا،ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا قدم بڑھا،خضوع ووقار وخشوع وانکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر،سوا سجدہ عبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا۔حضور والا کے پائیں یعنی شرق (پورب) کی سمت سے آکر وہ جناب مزار پر انوار میں رُو بقبلہ جلوہ فرما ہیں،جب تو اس سمت سے حاضر ہو گا،حضور کی نگاہ پناہ تیری طرف ہو گی اور یہ امر تیرے لیے دو جہاں میں بس (فتاویٰ رضویہ مترجم ج دہم ص۸۲۳/۸۲۵)۔

سطور بالا سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ کریم اور آپ کی ذات

سے منسوب چیزوں کی کیا اہمیت وافادیت ہے اوران نسبتوں کے احترام بجالانے میں کس قدر فوائد ومنافع دینی ودنیوی ہیں، اس کا صحیح اندازہ وادراک وہی کرسکتے ہیں جوحلاوت ایمان کے ذائقہ شناس ہیں اور وادیٔ عشق کی نعمتوں سے بہرہ ور، اللہ رب العالمین تمام عاشقان شہ بطحا کوان حسین وادیوں کی سیر کی توفیق عطا فرمائے اوراس شہر سراپا جمال وکمال کے حسن میں اضافہ اوراس کی شوکت ومحبت میں زیادتی فرمائے آمین۔

اس بحث کوختم کرنے سے قبل ہم مدینہ منورہ کے اسمائے مبارکہ کا تذکرہ کردینا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ عام قاری یہ جان سکیں کہ مدینہ منورہ کوکن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ان ناموں سے بھی شہر مبارک کی فضلیت ظاہر ہوتی ہے۔

گذشتہ صفحات میں میں نے یہ ذکر کردیا ہے کہ مدینہ شریف کو پہلے یثرب کہا جاتا تھا حضور نے یثرب کہنے سے منع فرمایا اوراس کا نام مدینہ رکھا، یہاں بیماریاں بکثرت تھیں، آب وہوا معتدل نہیں تھی۔ اکثر لوگ بیمار پڑتے تھے لیکن حضور کے قدوم میمنت لزوم کے سبب حالات متغیر ہوئے اس سرزمین کا ذرہ ذرہ رشک قمر بنا، آب وہوا خوش گوار ہوئی، مدینہ پاک کی خاک اور گردوغبار میں شفا نصیب ہوئی، آپ کی آمد مبارک نے اس شہر کی تقدیر بدل ڈالی۔

حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں کی برکت اورآپ کی نسبت سے صبح وشام رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔بن مانگے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔آپ کی حیات ظاہری میں جبریل امین کی مسلسل حاضری کا شرف اس مقدس قطعۂ ارض کو حاصل ہوا اوراب جبکہ آقائے کونین، مالک دارین، غوث ثقلین۔ نبی الحرمین، امام القبلتین ﷺ اپنی قبر مطہر میں آرام فرماہیں توستر ہزار صبح ستر ہزار شام فرشتوں کی جماعت سلاموں کا نذرانہ پیش کرتی ہے۔ذیل میں اسمائے مدینہ مبارکہ تحریر کیے جارہے ہیں۔

مدینہ منورہ، طابہ، طیبہ، ارض اللہ، ارض الہجرت، ایمان، بارّہ وبرّہ، بیت رسول اللہ ﷺ، جابرہ وجبّارہ، مجبورہ، جزیرۃ العرب، محبہ وحبیبہ، حسنہ، خیّر وخیرہ، عاصمہ، معصومہ، فاضحہ، مومنہ، محروسہ ومحفوظہ ومحفوفہ، مرحومہ ومرزوقہ، مسکینہ، مسلمہ، مطیبہ مقدسہ، مقر، مکینہ، ناجیہ، المدینہ، سید البلدان (جذب القلوب الی دیار المحبوب باب اول ومدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں)۔

شب قدر اوراس کے فضائل

شب قدر کا معنی عظیم رات یا فیصلہ والی رات ہے (غنیۃ الطالبین از غوث اعظم)، شب قدر کی سب سے بڑی فضیلت واہمیت یہ ہے کہ اس شب کا تذکرہ قرآن مقدس میں مذکور ہے، اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے فضل خاص اور رحمتِ کاملہ سے اس رات کو اپنے پیارے نبی ﷺ پر ظاہر فرمایا اوراس رات کی عظمت کے بیان میں سورۂ قدر نازل فرمائی اس سورت کے سلسلے میں بعض علماء نے کہا کہ مکیہ ہے اور بعض نے کہا کہ مدینہ میں نازل ہوئی، اس سورہ میں ایک رکوع، پانچ آیتیں تیس کلمے، ایک سوبارہ حروف ہیں (حاشیہ کنزالایمان صدرالافاضل)۔

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اُتارا (آیت نمبر ا ترجمہ رضویہ)۔اس آیت کی مختلف تفسیریں علماء نے پیش کی ہیں۔صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے جس قول کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مقدس لوح محفوظ سے آسمانی دنیا پر یکبارگی شب قدر میں نازل ہوا۔

دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن اتارنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر لکھنے والے فرشتوں کے پاس بھیجا اس طرح سے کہ ایک سال میں جتنا قرآن صاحبِ قرآن ﷺ پر نازل ہونا ہوتا اتنا حصہ ایک شب قدر میں فرشتوں کے پاس آجاتا اور وہاں سے بارگاہ نبوت ورسالت میں بقدر ضرورت سال بھر تک اترتا پھر آئندہ شب قدر میں اتنا حصہ لوح محفوظ سے نازل ہوجاتا جتنا کہ اس سال میں اُترنا ہوتا اس طرح سے پورا قران لیلۃ القدر میں رمضان کے اندر

لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا (غنیۃ الطالبین)۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر اور پورے قرآن کیساتھ جبرئیل کو لکھنے والے فرشتوں کے پاس شب قدر میں اُتارا اس کے بعد تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا (غنیۃ الطالبین)۔قرآن میں طریقۂ تدریج کا اہتمام کیا جانا، رب کائنات کا فضلِ خاص اور نبیٔ اکرم ﷺ کی رحمت ہے کہ اس میں امت نبوی کے لئے بہت ساری آسانیاں پنہاں ہیں، وَمَا اَدرَاکَ مَاالَیلَۃُ القَدرِ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لیلۃ القدر کا ادراک واحاطہ تھا آپ بخوبی اس رات کی فضیلت سے واقف تھے تب ہی آپ نے اس کی نشانیاں بیان فرمائیں اگر علم نہ ہوتا تو وَمَا اَدرَاکَ کے بجائے وَمَا یُدرِیکَ فعل مَضَارِع مجہول کا استعمال ہوتا، اس لئے کہ اگر پیغمبر احوال واعمال کے حقائق سے خود بے خبر ہوگا تو اصلاح کا فریضہ کما حقہٗ نہیں ادا کرسکتا اسی لئے قرآن میں آیا کہ اے نبی جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب بتا دیا اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء مطلع علی الغیب ہوتے ہیں، یہ تو عام نبیوں کا عالم ہے جو اس قدر وسیع تھے، لیکن باعث کون ومکاں ﷺ کے علم وفضل کا احاطہ دائرۂ انسانی سے باہر ہے، انسان کی ناقص عقل کی رسائی اس ذات تک کہاں؟ جو کچھ حاصل ہوا وہ انکی رحمت سے اور باقی سرّ خدا ہے۔

اس رات یعنی قدر کی فضیلت وبرکت کا تذکرہ خود آیت کررہی ہے کہ تنہا شب قدر ایک ہزار راتوں پر فوقیت رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ اس رات اعمال صالحہ کے اجر وثواب کو ہزار گنا بڑھا دیتا ہے۔ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر (۷۰) فرضوں کے برابر کردیا جاتا ہے اور شب قدر میں ستر (۷۰) گُنا کے سوا ہزار گُنا اور اضافہ کردیا جاتا ہے۔

سبب نزول سورۂ قدر اور عدم اظہار شب قدر کے اسباب

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے گذشتہ امتوں میں سے ایک ایسے عابد ومجاہد کا ذکر فرمایا جو رات میں عبادت کرتا تھا اور دن میں جہاد کرتا تھا اور اس حال میں اس نے ہزار سال گذارے تھے اس واقعہ کو سنکر صحابہ کو تعجب ہوا اور سوچنے لگے کہ اگر ہم کوشش بھی کریں تو اس کے مرتبہ کو نہیں پاسکتے، اس لئے کہ

ہماری عمریں کم کردی گئی ہیں جب کہ پچھلی امتوں کو طویل عمریں دی گئی تھیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی (حاشیہ کنزالایمان)۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جتنی خوشی خیرٌ من الف شھر کو سنکر ہوئی کسی دوسری چیز سے نہ ہوئی۔

دوسری روایت جو غنیۃ الطالبین میں ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابۂ کرام کے سامنے بنی اسرائیل کے چار پیغمبروں یعنی حضرت ایوب حضرت زکریا حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اِن حضرات نے اسی (۸۰) سال تک اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کی اور کبھی نافرمانی نہیں کی یہ سنکر آپکے اصحاب کو تعجب ہوا، اس پر یہ آیت اُتری، یحیٰ بن نجیح کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص جو ہزار مہینے تک ہتھیار بند رہا اور جسم سے ہتھیار کو الگ نہیں کیا اس واقعے سے صحابہ کو تعجب ہوا پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، بعض لوگوں نے اس مجاہد کا نام شمعون اور بعضوں نے شمسون لکھا ہے۔

اس شب کی فضیلت کی ایک وجہ قرآن نے واضح لفظوں میں بیان کی ہے کہ اس مبارک رات میں اللہ کے حکم سے فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور انکے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہوتے ہیں، بخاری ومسلم کے حوالے سے حاشیہ کنزالایمان ترجمۂ قرآن اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی میں لکھا ہے کہ جس نے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اس رات میں شب بیداری کی تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے۔

بروایت عباس شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بحکم الٰہی ستر ہزار فرشتوں کو لیکر زمین پر اُترتے ہیں۔ انکے ساتھ نوری جھنڈے ہوتے ہیں جنہیں حضرت جبرئیل اور دیگر فرشتے اپنے اپنے جھنڈوں کو چار جگہوں پہ نصب کردیتے ہیں، سب سے پہلے خانہ کعبہ کے پاس (غنیۃ الطالبین)۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ کے میلاد کی خوشی میں جھنڈے نصب کرنا فرشتوں کی سنت اور مرضی مولیٰ کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ اگر شب قدر کے احترام میں جھنڈے نصب کرنا

جائز ہے تو پھر میلاد النبی کے موقع پر کیونکر ناجائز ہوگا! جھنڈوں کی تنصیب سے فارغ ہونے کے بعد سدرہ کے مکین اپنے ساتھیوں کو زمین میں پھیل جانے کا حکم دیتے ہیں اس حکم کے سنتے ہی فرشتے روئے زمین پر اس طرح پھیل جاتے ہیں کہ زمین کا کوئی حصہ اُن سے خالی نہیں رہتا اور طلوع فجر تک فرشتے امت محمدیہ کے لئے استغفار کرتے ہیں پھر بحکم جبرئیل وہ فرشتے اپنے مکینوں کی طرف لوٹتے ہیں تو آسمان کے رہنے والے دریافت کرتے ہیں کہ آپ کہاں سے آئے فرشتے جواب دیتے ہیں زمین سے اس لئے کہ آج شب قدر تھی امت محمدیہ کے لئے، پھر وہی فرشتے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکی حاجتوں کے سلسلے میں کیا کیا؟ تو حضرت جبرئیل جواب دیتے ہیں کہ اچھے عمل والوں کو بخش دیا اور بروں کے لئے نیکوکاروں کی شفاعت قبول فرمائی، اس روایت سے بدرجۂ اتم واحکم ثابت ہوتا کہ رسول اکرم ﷺ کی شفاعت قطعی ویقینی ہے، مزید جس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ امت نبوی کو اس رات میں اللہ کی عبادت وریاضت، تلاوت ذکر وتسبیح کرنی چاہئے کہ لہو ولعب اور برے کاموں، ٹی .وی.، ریڈیو اور سینما بینی سے ضرور بالضرور بچنا چاہئے اور اپنے گھروں، مکانوں، دکانوں سے تصویروں اور کتوں کو نکال دینا چاہئے اس لئے کہ جہاں جاندار کی تصویر یا کتا یا سور یا جنبی ہوتے ہیں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

ہر وہ شخص جو حالت قیام، قعود حتی کے نوم میں ہو جہاں کہیں ہو فرشتے اسے سلام کرتے ہیں، مرد و عورت سب سے مصافحہ کرتے ہیں، لفظ سلام کا ذکر آیت میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، لیٹ کر، چلتے پھرتے ہرصورت درود وسلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور جب فرشتے عام مومنوں کو سلام کرتے ہیں تو پھر نبی کی بارگاہ میں سلام بھیجنا کیونکر ناجائز ہوجائے گا؟

شب قدر میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال بھر میں ہونے والے واقعات کو مقدر فرماتا ہے اور تجلیات الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اور بعد غروب شمس یہ صدا آنے لگتی ہے ''ہے کوئی کسی چیز کا طالب جو اولاد مال، صحت، دنیاو آخرت کی نعمت ہم سے مانگے جو اللہ کے سرخرو بندے ہوتے ہیں وہ اس رات عبادت اور ذکر وتسبیح کے ذریعہ اپنے مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل کرلیتے ہیں۔

شب قدر کے غیر معین ہونے کے اسباب

اس شب کی تحدید اس لئے نہیں کی گئی کہ بندے جتنی زیادہ عبادت کریں گے وہ انکے لئے بہتر ہوگا۔ اس لئے اگر تعیین ہو جاتی تو دوسری شبوں میں کا ہے کوئی عبادت کا اہتمام کرتا؟

شب قدر کی علامت

موسم معتدل ہوگا نہ زیادہ سردی ہوگی نہ زیادہ گرمی، بعض نے کہا کہ اس رات کتے بھوکنے کی آواز نہیں سنی جائیگی، اور اس دن کا سورج کرنوں کے بغیر طلوع ہوگا۔

یہ تو چند باتیں عرض کر دی گئیں لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ شب قدر کا پتہ اُسی کو معلوم ہوگا جو عبادات وریاضات ومحبت رسول اکرم کے ذریعہ تلاشنے کی کوشش کریگا۔ حضرت جبرئیل جب آسمان سے نزول فرماتے ہیں تو کوئی ایسا مسلمان نہیں ہوتا جس سے آپ مصافحہ نہ کرتے ہوں، اس کی پہچان یہ ہے کہ مصافحہ کرنے والے کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔ دل نرم ہوگا، آنکھ سے آنسو بہیں گے یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ امت کے لئے پریشان تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! غمگین نہ ہو جب تک تیری امت کو انبیاء کے مدارج نہ عطا کروں گا دنیا سے نہیں نکالوں گا اس کی صورت یہ ہوگی کہ فرشتہ انبیاء کے پاس وحی لیکر آتا تھا اور تیری امت کو شبقدر دیا ہے اس شب میں فرشتے سلام لیکر تیری امت میں نازل ہونگے۔

اسلامی بھائیوں اور بہنوں کو رمضان، قرآن اور شب قدر کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ یہی ہمارے لئے دنیوی واخروی سرمایہ ہے۔

قربانی قرآن وسنت کے آئینے میں

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے،ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے لخت جگر میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں،اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سعادت مند بیٹے نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جواب دیا،ابا حضور! آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے بلاخوف وخطر اُسے بجالائیے،انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیے گا،اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی اس گفتگو کو قرآن میں اس طرح ذکر فرمایا :

قَالَ يٰبُنَیَّ اِنِّی أرىٰ فِی الْمَنَامِ أَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی. يٰٓا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْشَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ ہ ”کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے،کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے،خدا نے چاہا تو قریب ہے آپ مجھے صابر پائیں گے۔“ (سورہ الصّٰفّٰت ۳۷، ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے باپ اور بیٹے صحرا کی طرف نکل پڑے،آنکھوں پہ پٹی کہ کہیں شفقت پدری غالب آجائے اور مرضیٔ مولیٰ کی بجا آوری نہ ہوسکے،فیروز بخت بیٹے کے ہاتھ پاؤں میں رسّی باندھ دی،دونوں مرضیٔ مولیٰ کی تکمیل کے لئے تیار ہوگئے،باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹادیا۔

قرآن کہتا ہے: فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ. تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا (الصّٰفّٰت ۳۷-۱۰۳)

باپ نے حکم الٰہی کے مطابق چھری گردن پر چلادی،اُدھر رب تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ ادا اور

جرأت اتنی پسند آئی کہ حکم ہوا جبرائیل! پیارے اسمٰعیل کو بچاؤ،سدرہ کے مکین حضرت جبرئیل جنت سے ایک حسین وجمیل دنبہ لے کر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے،چھری کے نیچے سے سعادت مند بیٹے کو نکال کر اس کے نیچے دنبہ کو لٹادیا،دنبہ اللہ کے نام پر ذبح ہوگیا،اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی اس ادائے بندگی کو قیامت تک کے لئے لازم کردیا،بلکہ ایام قربانی میں اس ادا سے بہتر کوئی عبادت ہی نہیں۔

قرآن اس واقعے کی ترجمانی کرتے ہوئے گویا ہے:

وَنَـادَيْنٰـهُ أَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ ہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّوياَ اِنَّا كَذَالِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ. اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلٰٓـؤُآ االْمُبِيْنُ ہ وَفَدَيْنَاهُ بَذَبْحٍ عَظِيْمٍ ہ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِیْ الْاٰخِرِيْنَ ہ اور ہم نے اسے ندا فرمائی اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھائی،ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک یہ روشن جانچ تھی،اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے صدقہ میں دیکر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اسکی تعریف باقی رکھی (الصّٰفّٰت،۳۷، آیت۱۰۴-۱۰۸)

گویا کہ قربانی ادائے پیمبر ہے،ایک نبی کی سنت ہے،نبی نے کیا،رب کو پسند آگیا۔رب نے اسے اظہار بندگی کا ذریعہ بنادیا،معلوم یہ ہوا کہ اللہ کے محبوب اور نیک بندے،سیدنا ابراہیم وسیدنا اسمٰعیل کی اُس ادا کو زندہ وجاوید رکھنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور بندگی ہے،واقعۂ قربانی کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کی گردن پر چھری چلائی تھی حالانکہ جو بات مشہور ومقبول ہے وہ وہی جو اوپر ذکر ہوئی (کنزالایمان الصّٰفّٰت)۔حضرت اسحٰق علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے آپ کی اولاد علاقۂ شام اور اس کے اطراف وجوانب میں آباد ہوئی اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد مکہ اور اس کے جوانب میں (شاہنامۂ اسلام اردو)۔

سورۂ کوثر میں فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو) سے مقاتل نے یہ مراد لیا ہے کہ پنجگانہ نماز پڑھو اور قربانی کے دن جانور ذبح کرو،بعض نے کہا کہ اس آیت میں نماز سے نماز عید مراد ہے اور قربانی سے مراد منٰی میں اونٹ کی قربانی کرنا ہے

(غنیۃ الطالبین، ص ۴۰۷)۔

بہر حال، قربانی کا ثبوت قرآن میں ہے اور اس کا پورا پورا بیان کتاب مبین میں بالتفصیل موجود ہے، ایک سوال جو کسی کے بھی ذہن میں آسکتا ہے اور اسلامی نظریہ سے ہٹ کر غور وفکر کرنے والوں کے عقل وخیال میں آنا اس امر کا یقینی ہے وہ یہ کہ خدا عزوجل عالم الغیب والشھادۃ ہے وہ علیم و خبیر ہے، جب اُسے بیٹے کے بدلے میں دنبہ یا بکری ہی کی قربانی مطلوب ومقصود تھی تو پھر اس تفصیلی اور تاریخی قصے کی کیا ضرورت تھی، ابتداء ہی سے دنبہ یا بکری کی قربانی کا مطالبہ کیا جاتا اور اسی قربانی کو یادگار بنا دیا جاتا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس تمہید کے ذریعہ قربانی کی اہمیت اور عظمت کو قیامت تک کے لئے لوگوں کے دلوں میں بٹھانا تھا تا کہ دنیا یہ نہ سمجھے کہ یہ قربانی یونہی واجب کر دی گئی ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی تاریخ ہے، ایک بڑی قربانی کے عوض میں رب تعالیٰ ایک معمولی قربانی کا حکم فرمایا ہے، دوسری بات یہ کہ پروردگار عالم اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں کو آزمائش میں ڈال کر لوگوں کے لئے عبرت وموعظت بناتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم اس لئے دیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے سے بے حد محبت تھی اور رب تبارک وتعالیٰ اپنی محبت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں فرماتا اس لئے قربانی کا حکم فرمایا تا کہ یہ بات سب پر ظاہر ہو جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے سے محبت تھی لیکن بیٹے کی محبت پر اللہ کی محبت غالب تھی، اسی لئے اللہ کے حکم پر انہوں نے بلا چوں وچرا سر تسلیم خم کر دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے ایسی محبت کی کہ بیٹے کی جدائی میں آنکھ کی بینائی سلب ہوگئی اور جب بیٹے حضرت یوسف کا کرتا آنکھوں سے لگایا تو بینائی لوٹ آئی، حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی چالیس سال تک ملاقات نہ ہوئی، اس طویل وقفے میں بھی یہی راز تھا کہ حضرت یوسف کی محبت اللہ کی محبت میں مخل نہ ہو جائے۔

اس طرح ساری کائنات کے آقا ودا تا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں سے اتنی محبت کی کہ اُن کی تکلیف کو اپنی تکلیف فرمایا۔ اُن کے لئے سجدے کو طول دیا۔ ان کی محبت کو اپنی محبت

قرار دیا، جن نواسوں کو کندھوں پر بٹھایا، ہر خواہش پوری فرمائی، اللہ اللہ کتنے محبوب یہ نواسے ہیں ،جنہیں سرکار نے اپنا بیٹا فرمایا، جن کی محبت اور تعظیم وتوقیر کو امت پر لازم فرمایا، اور بارگاہ مولیٰ عزوجل میں دعا کی کہ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما، یہ محبت آخری درجہ کی محبت تھی اس سے بڑھ کر کوئی محبت نہیں کرسکتا۔

حالانکہ سرور کونین کی نواسوں سے محبت تقدیس الوہیت اور عظمت خداوندی ومحبت الٰہی میں نہ مانع تھی نہ مخل، اس کے باوجود فرمایا جارہا ہے جبرئیل میرے محبوب سے کہہ دو کہ حسن کو زہر دیا جائے گا، حسین کو کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں جام شہادت نوش کرنا ہوگا، حسین کے خون سے امت مصطفےٰ کی تاریخ لکھی جائے گی، وہاں قربانی دینی ہوگی جہاں اپنے بھی بیگانے ہوجائیں گے، جہاں اپنا گھر نہیں ہوگا، جوانوں کی قربانی دینی ہوگی، بچوں کی قربانی دینی ہوگی، دوست واحباب کی قربانی دینی ہوگی چھ ماہا علی اصغر کے نازک حلقوم کو چھدتا ہوا دیکھنا ہوگا، علی اکبر کی ابھرتی ہوئی جوانی کو لٹتے ہوئے دیکھنا پڑیگا، اے محبوب جس سے تم محبت کرتے ہو، جس سے تم پیار کرتے ہو، جس کو تم چاہتے ہو، اُسے میرے دین کے لئے، میرے دین کی حفاظت کے لئے قربان ہونا ہے، یہ خبر دے کر پیغام دیا جارہا تھا۔ محبوب محبت اس سے کرو جو باقی رہنے والا ہے، جو ہمیشہ رہنے والا ہے، جس کو زوال نہیں، جس کو فنا نہیں، جس کو عدم نہیں، اے محبوب اپنے محبّ سے محبت کر، یعنی احمد احد سے محبت کر، میری تیری محبت میں کوئی حائل نہیں، کوئی پردہ نہیں، میں تجھ سے محبت کروں تو مجھ سے محبت کر، میں تجھے چاہوں تو مجھے چاہے، تو میرا ذکر کر، میں تیرا ذکر کروں، میرے تیرے درمیان کوئی نہیں۔

بتانا یہ ہے کہ محبوب کی محبت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ بات قربانی کی چل رہی تھی، ایک بار صحابہ کرام نے بارگاہ خیر الانام میں عریضہ پیش کیا کہ اے کونین کے مالک ومختار آقا! ہماری حاجت روائی فرمانے والے، اے معلم کائنات ہمارے لئے قربانی میں کیا فائدہ ہے اور یہ قربانی کیا ہے؟ اور آخر کس کی یادمنائی جارہی ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِی؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ

قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ. (انوارالحدیث، ص۳۶۱ بحوالہ احمد، ابن ماجہ)

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اس میں ہمارے لئے کیا ہے؟ نبی اکرم نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ پھر پوچھا اون یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے بھی نیکی ملے گی۔

قربانی اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ کے نام پر خون بہانا، اس کی بڑائی بیان کرنا، اس کی شانِ وحدت پہ جان جیسی عظیم ترین نعمت کو نچھاور کرنا، بڑا مقبول ومحبوب عمل ہے۔ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ. (انوارالحدیث، ص۳۶۱)

قربانی کے دن میں اللہ کے نام پر خون بہانے سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے ابن آدم کے لئے قربانی کے ذریعے کفار کے عقیدۂ شرک کی تردید اور رب تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی مقصود ہے، قربانی کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی ذات اس قابل ہوسکتی ہے کہ جس کے نام پر جان جیسی عزیز ترین دولت کو لُٹایا جائے تو وہ ذات آسمان وزمین کی تخلیق فرمانے والے خالق وقادر مطلق کی ہوسکتی ہے، اسی کو زیبا ہے اور اسی کی ذات اس امر مہم کی مستحق ہے کہ اس کے نام پر جانوں کی قربانی پیش کی جائے اور خون کا نذرانہ پیش کیا جائے۔

عرب کے کفار زمانۂ جاہلیت میں اور آج بھی بعض مشرکین دریا اور دیوی دیوتاؤں اور خودساختہ خداؤں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اسے تقرب کا ذریعہ وسیلہ جانتے ہیں یہ ان کا محض خیال اور وہم فاسد ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِ الْعٰلَمِیْنَ.

بیشک میری نماز اور میرا خون بہانا، میرا جینا مرنا سب کچھ سارے جہان کے پالنہار کے لئے ہے۔ یہ عبادتیں اور بندگی کے طریقے مخصوص ہیں خدائے پاک بے نیاز کے لئے۔

حضرت حنش فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو دنبہ ذبح کرتے ہوئے دیکھا۔ "رَأيتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبشين" (انوارالحدیث،۳۶۲)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد پاک آپ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔ (انوارالحدیث بحوالہ ابن ماجہ)

مَنْ وّجَدَ سِنَةً وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبُنَّ مُصَلَّانا. (الحدیث)

قرآن وسنت سے اس بات کی واضح دلیلیں موجود ہیں جن سے قربانی کی ضرورت واہمیت اور قبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

مسئلہ: ہر مالک نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک گھر میں کئی افراد مالک نصاب ہوں تو ہر ایک پر قربانی واجب ہے، ایک کی جانب سے کرنا سب کو کفایت نہیں کرے گا۔ قربانی میں سب سے بہتر اونٹ، دنبہ، گائے، بکرا بکری وغیرہ۔ قربانی کا وقت دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ کی شام یعنی غروب آفتاب تک ہے۔ (بہار شریعت وغیرہ)

اسلام اور مسئلۂ شفاعت

بنام اسلام فرقوں کے مابین بہت سارے مختلف فیہ مسائل ہیں، اُن میں سے مسئلہ شفاعت بھی ہے۔ یہ مسئلہ آج گروہوں کی علامت اور پہچان کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک و بے عیب ہے، اُس کی ذات اور صفات ومشیٔت میں نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ مثیل ومساھم، اس کی قدرت اور اس کا اختیار ہر قسم کے تداخل سے بالا ہے، وہ جسے چاہے ملک عطا کرے جسے چاہے ملک چھین لے، جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلیل کرے اُس کی مشیٔت میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، اس کی قدرت اور اوصاف غیر محدود ہیں، جو کوئی اس کے علم و مرتبہ اور صفات کی حد مقرر کرے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، بندوں کے اوصاف محدود ہیں اللہ کی ذات و صفتیں ہر طرح کی حدوں سے پاک ہیں، اس کی ذات اور صفات کا تعقل محال ہے، اس لئے کہ جس کی ذات اور صفات انسانی عقل کے دائرے میں آجائیں وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اس تمہید کے بعد میں قرآن کریم سے چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں مسئلہ شفاعت کا تذکرہ ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ: "مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" "کون ہے وہ جو اللہ کے نزدیک شفاعت کرے مگر اُس کی اجازت سے" (سورہ بقرہ، ۲۵۵)۔ "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ" "اور نہیں شفاعت کرے گا اس کے نزدیک مگر جس کو اجازت ہوگی" (سورہ سبا ۳۴، ۲۳)۔ "لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا" "لوگ شفاعت کے مالک نہیں اُن کے سوا جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد وقرار رکھا ہے" (سورہ مریم ۱۹، ۸۷)۔ "وَلَا یَمْلِکُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہِ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا

مَنْ شَھِدَ بِالْحَقِّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ" "اللہ کے سوا یہ جنہیں پوجتے ہیں وہ مالک شفاعت نہیں ہاں! شفاعت وہ کر سکتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں" (سورہ زخرف ۴۳، ۸۶)۔

ان تمام آیات میں کافروں اور بتوں کے حق میں شفاعت کا انکار ہے اور اُس عقیدے کا انکار ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرے لیکن ان تمام آیات میں اس بات کا استثنا کیا گیا ہے کہ رب کی اجازت سے اللہ کے مخصوص بندے اُس کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے اور اس طرح کی شفاعت جائز ہے اس کا انکار یا تو منافق ومبتدع کرے گا یا جاہل مطلق۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "انکار شفاعت بدعت وضلالت است چنانکہ خوارج وبعض معتزلہ بداں رفتہ اند"، شفاعت کا انکار بدعت وگمراہی ہے جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ اس طرف گئے ہیں (اشعۃ اللمعات، بحوالہ انوار الحدیث)۔ اور ملا علی قاری نے فرمایا: "**مذھب اھل السنۃ جواز الشفاعۃ عقلاً و وجوبھا سمعاً لصریح قولہ تعالیٰ یومئذٍ لا تنفع الشفاعۃ الا من اَذِنَ لہ الرحمن ورضی لہ قولاً**"، "اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقلاً شفاعت جائز ہے، اور اس کا وجوب سماعی ہے (بحوالہ سابق)۔

شفاعت کون کریگا؟

شفاعت کے مسئلہ میں اہل سنت وجماعت کا مسلک یہ ہے کہ بغیر اذن خداوندی کے کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔ بغیر اذن رب عز وجل شفاعت کا قائل مسلمان نہیں، مال ومنفعت یا دھونس کی وجہ سے شفاعت نہیں ہوسکتی۔ سب سے پہلے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کی اجازت ملے گی آپ کے واسطے سے دیگر انبیاء، اولیاء، صالحین اور علماء شفاعت کریں گے۔

اس جگہ پر ایک مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ کسی کافر، مرتد، مشرک کے حق میں نہ کوئی شفاعت کرے گا اور نہ ان کے حق میں شفاعت مقبول ہوگی، رہا مسئلہ مومنین کا تو ان میں سے ہر شخص کے لئے شفاعت جائز ہوگی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شفاعت صرف نیکوکاروں اور نمازیوں کو فائدہ بخش ہوگی اور فساق وفجار کو فائدہ نہ دے گی ان کا یہ خیال باطل اور جہالت پر مبنی ہے اس لئے کہ جس

کے نامۂ اعمال میں عقیدۂ صحیحہ اور اعمال صالحہ نافعہ ہوں گے اس کی مغفرت تو عقلاً بلا شفاعت ہو ہی جانی چاہئے، شفاعت کی زیادہ سے زیادہ ضرورت تو گنہگاروں اور سیہ کاروں ہی کو ہوگی، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ صرف اعمال پر بھروسہ کر لینا بھی شیطانی دھوکہ ہے جب تک اللہ کا فضل اور اس کے پاک ومعظم نبی کی شفاعت نہیں ہوگی کسی کی مغفرت نہیں ہوسکتی ورنہ انبیاء وصالحین کو بروز قیامت پہلے دن انتظار میں نہیں گذارنا پڑتا بلکہ اپنا اعمال نامہ دکھا کر جنت میں داخل ہوجاتے لیکن ایسا نہیں ہوگا جب اولین وآخرین سب کے سب پریشان حال ہوں گے، ایک نبی سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے یہاں تک سرکار اقدس پناہ کے حضور حاضر ہوں گے آقا رب کی بارگاہ میں سربسجود ہوں گے، ندا ہوگی: محبوب سر اٹھاؤ مانگو عطا کیا جائے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔

عصر جدید کے خود ساختہ محققین نے اپنے پیمانۂ علم سے انبیاء ومرسلین کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کے مقام ومرتبہ کی بھی پیمائش کر ڈالی ہے اور ان کے فہم وادراک میں یہ بات دانستہ یا غیر دانستہ نہیں آسکی کہ اس پیمائش سے توحید کی حفاظت نہیں بلکہ توحید کی توہین لازم آرہی ہے۔

صحابۂ کرام سے لے کر اب تک مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ شفاعت بدعت نہیں بلکہ اس کا انکار گمراہی ہے، ورنہ اصحاب پیمبر طلب شفاعت نہ کرتے، بعض حضرات کو اتنا علم حاصل ہوگیا ہے کہ وہ باتیں جنہیں صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، علمائے محدثین واولیائے امت نے جائز سمجھا اُسے یہ کہہ کر باطل ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ توحید میں مداخلت ہے، غور کرنا چاہئے جو باتیں صحابۂ کرام کے نزدیک توحید کے خلاف نہیں تھیں انہیں آج کسی کو توحید کے خلاف کہنے کا اختیار کیسے حاصل ہوگیا۔

الشیخ ابومنصور الصباغ اپنی کتاب الحکایۃ المشہورۃ میں لکھتے ہیں، عتبی نے کہا: میں قبر النبی پر حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ! پھر کہنے لگا اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا "ولو أنهم اِذ ظلموا انفسهم جاؤوک...الخ (سورہ نساء۴، ۶۴)۔ میں اسی لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے توسل سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا استغفار اور طلب

شفاعت کروں۔ پھر وہ اعرابی یہ شعر پڑھنے لگا:

یَا خَیْرُ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظَمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ اَلْقَاعُ والاکَمُ

"اے ان تمام لوگوں میں بہتر جن کی ہڈیاں زمین میں دفن ہوئیں تو ان کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔"

نَفْسِیْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِیْهِ الْعِفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ والْكَرَمُ

"میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں، اسی قبر میں عفت بھی ہے اور جود و کرم بھی ہے۔"

اس عرض مدعا کے بعد اعرابی چلا گیا اور مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، خواب ہی میں آپ نے مجھے حکم دیا: "اَلْحِقِ الْاَعرابی فَبَشِّرْهُ اَنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لَهٗ"، "اعرابی سے ملاقات کر کے اُسے بشارت دو کہ اللہ نے اسے بخش دیا"، اس واقعہ کو امام نووی نے الایضاح میں، حافظ عماد الدین نے تفسیر ابن کثیر زیر آیت "ولو انهم اذ ظلموا" میں، الشیخ ابومحمد قدامۃ نے المغنی میں، شیخ ابوالفرج ابن قدامۃ نے الشرح الکبیر میں، شیخ منصور بن یونس البھوتی نے کشاف القناع میں ذکر کیا ہے (مفاهيم يجب اَن تصحح ترجمہ اصلاح فکر واعتقاد)۔

سواد بن قارب نے سرکار دوعالم کے حضور یہ اشعار پڑھے:

وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَیْرُهٗ
وَاَنَّکَ مَاْمُوْنٌ عَلٰی کُلِّ غَائِبٍ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں اور اے رسول! آپ پر ہر پوشیدہ چیز منکشف ہے۔

وَاِنَّکَ اَدْنٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَةً

اِلَـی الـلّٰـــهِ یَـــا اِبْــنَ الْاَکْــرَمِیْــنَ الْاُطَـــائـــبِ

اورسارے رسولوں میں آپ کا وسیلہ اللہ سے قریب تر ہے اے پاکیزگی وشرافت والوں کے فرزند۔

فَــکُــنْ بِــیْ شَــفِیْــعًــا یَــوْمَ لَا ذو شــفــاعَةٍ

سِــوَاکَ بِــمُــغْــنٍ عَــنْ سَــوادِ بْــنِ قَـــارِبِ

تو آپ اس دن میری شفاعت کریں جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت بے نیاز نہ کرسکے گی (اصلاح فکرواعتقاد)۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم کی شفاعت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ شفاعت عظمیٰ ہوگی قیامت کا پہلا دن جونہایت سختی کا ہوگا اس دن سب سے پہلے ہم سب کے آقا اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حساب کے جلدی کرنے اور قیامت کے دن کی سختی سے نکالنے کے لئے کریں گے۔

دوسری شفاعت یہ ہوگی کہ ایک قوم بلاحساب سرکار مدینہ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوگی اور یہ قسم بھی ہمارے نبی کے ساتھ خاص ہے۔

تیسری شفاعت اُن کے حق میں ہوگی کہ جن پر جہنم لازم ہوچکی ہوگی سرکار کی شفاعت سے اللہ جسے چاہے گا جنت میں داخل کرے گا۔

چوتھی قسم وہ ہوگی کہ جولوگ جہنم میں جاچکے ہوں گے گنہگاروں میں سے ان کے لئے سرکار مدینہ، ملائکہ اور دوسرے مومنین شفاعت کریں گے۔ اللہ اپنی رحمت کاملہ سے ان بندوں کی شفاعت ان گنہگاروں کے حق میں قبول فرمائے گا۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ بلندیٔ درجات کے لئے شفاعت ہوگی یہ تمام اقسام شفاعت صرف مومنین کے حق میں ہوں گی اور اللہ کی اجازت ومرضی سے۔

جہاں جہاں شفاعت سے منع کیا گیا ہے وہ کفار ومشرکین اور اُن کے بتوں کے بارے میں

یااس طرح کی شفاعت کہ کوئی بندہ بذات خود شفاعت کرے گا اور اللہ پر لازم ہوگا کہ وہ قبول کرے۔ یہ محض باطل ہے لیکن جن اقسام شفاعت کا اوپر ذکر ہوا یہی عقیدہ عام مسلمانوں کا ہے اور اس طرح کے عقیدے سے خدائے تعالیٰ کی نہ کرسی ہلتی ہے اور نہ حکومت کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے نہ پایۂ تخت لرزتا ہے پھر بھی جولوگ ایسا خیال کرتے ہیں گویا کہ وہ خدا کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں ورنہ ہرگز ہرگز وہ ایسا تصور نہ کرتے۔

محبت رسول

یہ بات اظہرمن الشّمس ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق ومالک اور پروردگار ہے۔ جب اُس نے اپنے آپ کو پہچنوانا چاہا تو اپنے نور سے نورِ محمدی کو پیدا فرمایا۔ پھر نورِ محمدی سے سلسلہ بہ سلسلہ زمین و آسمان، عرش وکرسی، لوح وقلم، جنت ودوزخ، فرشتے، جن، انسان، نباتات، جمادات، حیوانات اور خشکی وتری کو وجود بخشا۔

حضرت آدم علی نبینا کے ذریعہ اللہ نے انسانوں کو پیدا فرمایا، اور بندوں کی رہنمائی کے لیے اللہ نے اپنے کرم سے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو مبعوث فرمایا، کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین کے بعد اللہ نے اصل کائنات، باعث تخلیق موجودات، فخر مخلوقات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ۱۲ر ربیع النور کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا۔

حضور کی بعثت کا مقصد اصلی تبلیغ رسالت یعنی خدا کے اوامر ونواھی سے لوگوں کو مطلع کرنا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور ساری کائنات کی جان اور راہ حق کے متلاشیوں کے ماویٰ وملجا ہیں، آپ کی ذات منبع فیوض وبرکات اور مصدر خیرات وحسنات ہے، آپ کا وجود سراپا مسعود ہے، اللہ نے آپ کو اپنا آخری پیغمبر اور محبوب بنا کر اولین وآخرین میں افضل کیا۔ آپ کی ذات کریم کو رحم وکرم کے سانچہ میں ڈھال کر رحمۃ للعالمین کے لقب سے تعارف کرایا۔ آپ کی محبت اور اتباع کو اپنا اتباع اور اطاعت قرار دیا۔ آپ کی بولی کو وحی سے تعبیر فرمایا اور آپ کی محبت وتعظیم کا ہمیں حکم فرمایا۔ اللہ جلّ مجدہ الکریم ارشاد فرماتا ہے۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ؕ ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (البقرۃ آیت ۱۴۴)۔

قرآن کریم میں سب سے پہلے قبلہ کا حکم منسوخ ہوا۔ جب آنحضرت مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو یہاں کے اکثر باشندے یہودی تھے۔ اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو یہودی خوش ہوگئے۔ چند ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے آپ نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کو قبلہ ابراھیمی از حد پسند تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور بار بار آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھتے یہاں تک کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ اے محبوب جدھر آپ کی مرضی ہے اُدھر منہ کرکے پڑھیے (تفسیر ابن کثیر جلد اول بقرہ آیت ۱۴۴)۔

قبلہ تبدیل کرنے کا حکم خدا نے دیا لیکن ایک خاص بات ہے وہ یہ کہ یہ حکم اللہ نے اپنے نبی اُمّی ﷺ کی مرضی اور رضا کے لیے دیا۔ جس پر ترضٰھا کا لفظ دلالت کررہا ہے کہ اللہ رب کریم نے قبلہ بدلنے کا حکم دیا مگر مرضی محبوب پر اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے اوامر ونواھی میں حضور کی مرضی اور اختیار کو بھی اللہ نے پسند فرمایا ہے اور آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ اے محبوب جو شئی تیرے نزدیک محبوب ہوگی وہ مجھے بھی محبوب ہوگی۔ جس میں تیری رضا ہوگئی اُسی میں میری رضا ہوگی۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فرماتے ہیں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم، خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

سابقین انبیاء کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کی پسند اور انتخاب کو اللہ نے پسند فرمایا اور اپنے محبوب مکرم کے پسند والے قبلہ کو تمام مسلمانوں کے لیے قبلہ قرار دیا۔

دوسری جگہ خدائے ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے۔ اِن کنتم تحبون اللہ اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی (آل عمران ۳ آیت ۳۱/۳۲)۔ جب یہود کو دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی سے اللہ کے محبوب اور برگزیدہ ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کوئی نیا دین اور نیا طریقۂ عبادت اختیار کریں۔ قرآن نے ایک جملے میں ان کا ناطقہ بند کردیا۔ ان کے بڑبولے پن اور بیجا مفاخرت وتکبر نے انہیں ذلت ورسوائی کا

خوکر بنادیا تھا۔

دعویٰ اللہ کی محبوبیت کا اور خدا کے حکموں سے سرتابی! یہ کیسی محبت ہے۔محبت کے جھوٹے دعویداروں کے لیےقرآن نے ایک ایسا معیار قایم کردیا کہ جوکوئی قرآن کی کسوٹی پر پورا پورا اتریگا اسی کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ظاہر ہے کہ یہود اپنی انانیت اور بدقسمتی کے سبب حقانیت کوقبول کرنیکی صلاحیت کھو بیٹھے تھے اس لیے وہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔قرآن نے صاف کردیا کہ خدا سے محبت کا دعوی اس وقت تک لائق اعتبار نہیں ہوگا۔جب تک کہ اس میں میرے محبوب کی مکمل پیروی نہ شامل ہو۔

انسان پیروی اسی کی کرتا ہے جس کی عظمت ومحبت دل میں ہوتی ہے۔بغیر محبت کے آدمی پیروی نہیں کریگا۔اللہ نے اپنے نبی کی پیروی کا حکم دیکر یہ واضح پیغام نشر کردیا کہ چاہے یہودی ہوں کہ عیسائی یا کوئی اور اگر اللہ اور اللہ کے دین کے معاملہ میں اپنا دعویٰ پختہ کرنا چاھتے ہیں تو لازم ہے کہ سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کریں اور دل سے آپ کا احترام بجالائیں۔

تیسویں پارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔(الضحیٰ ۹۳ آیت ۵)

یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ السلام کی رضا وخوشنودی کا ذکر فرمایا ہے۔بروز محشر جب تمام اولین وآخرین پریشان حال ہونگے تو محبوب دوعالم فخر بنی آدم اپنے رب کے حضور سجدہ فرمائیں گے اور حق شفاعت کی التجا کریں گے،رب عزوجل ارشاد فرمائے گا محبوب سر اٹھائیے سوال کیجئے عطا کیا جائے گا۔شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔حضور عرض کریں گے میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میرا پروردگار میری گنہگار امت کونہیں بخش دیتا،تو اللہ کی رحمت جواب دیگی عنقریب آپ کوآپ کا رب اتنا دیگا کہ آپ راضی ہوجایں گے۔یعنی گنہگار امت کے حق میں آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔اور عاصی آپ کی شفاعت کے سبب جہنم سے خلاصی پائیں گے اور جنت میں داخل کیے جائیں گے،وہ منظر کتنا حسین ہوگا اور محبوب رب العالمین کی شان کس قدر بلند ہوگی کہ جب آدم تا عیسی سارے نبی اور سب کی امتیں موجود ہوں گی۔سب نفسی نفسی

کے عالم میں ہونگے،وہاں محبوب کے اک اک اشارے پر گنہگار بخشے جارہے ہوں گے۔

صف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگاروں چلو! مولیٰ نے درکھولا ہے جنت کا

آپ ﷺ کی محبت ایمان کی جان ہے۔

جس کے دل میں آپ کی محبت نہیں وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ایمان کی اصل اور بنیاد آپ کی تصدیق اور محبت ہے۔جس کے دل میں جس قدر آپ کی محبت ہوگی اس کا ایمان اتنا ہی قوی ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق اپنی جان،مال،اولاد ہرشئ سے زیادہ چاہتے تھے اس لیے اللہ نے انہیں صدیق فرمایا اور ان کی سچائی وصداقت کا تذکرہ فرمایا اور ان کو نبی کا اوّل جانشین ہونیکا موقع بخشا اور آپ کے مرتبے کو سب پر ظاہر فرمایا کہ انبیاء کے بعد تمام امتوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ مرتبہ حضرت صدیق اکبر کا ہے۔ان کا دشمن اور گستاخ کبھی بھی اللہ کا ماننے والا نہیں ہوسکتا اور نہ وہ نبی کا محبوب ہوگا بلکہ وہ خالص منافق اور مردود ہوگا۔یہی حال حضرت امیر المومنین سیدنا عمر کا ہے کہ آپ دنیا اور دنیا کی ہرشئ حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اللہ کے نبی کو رکھتے تھے اور دین کوتقویت اور فروغ دینے میں ہمیشہ بڑھ کر اقدام فرماتے۔اسی لیے مختلف مواقع پر اللہ نے آپ کی اصابت رائے اور فکر سلیم کی تائید فرمائی اور یہی حال باقی تمام اصحاب پیغمبر خصوصاً حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنھما اور دیگر عشرۂ مبشرہ کا تھا کہ جان ومال سب کچھ آپ پر قربان ہے۔

جوجان مانگو تو جان دیں گے
جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکیگا
نبی کا جاہ و جلال دیں گے

عظمتیں دیں گے،شوکتیں دیں گے،حکومتیں دیں گے۔جانیں نچھاور کریں گے۔مگر ان کی محبت کو رسوا نہ کریں گے۔ان کی عظمت کا چراغ غل نہ ہونے دیں گے۔ان کی محبت کی شمع کو بجھنے نہ دیں گے۔ان

کی خاطر جئیں گے اورانہیں کے لیے مریں گے، اس لیے کہ وہی جان ایمان ہیں۔ وہی دین کی روح ہیں، انہیں کی اطاعت میں رب کی عبادت ہے۔انہیں کی خوشنودی اور رضا دین میں مطلوب ہے، کیونکہ وہ خلاق کائنات کے نائب مطلق اوراس کی قدرت وتخلیق کی خوبصورت تصویر ہیں، وہ جان کائنات بھی ہیں اور مظہر ذات وصفات باری تعالیٰ بھی ہیں۔اسی لیے اعلیٰ حضرت، پیشوائے اہلسنت، عاشق رسول سیدی امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتابہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اللہ ورسول سے محبت:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔جس شخص میں یہ تین باتیں ہونگی۔وہ ایمان کی حلاوت سے بہرہ اندوز ہوگا۔اللہ اور اُس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، اگر کسی سے محبت ہوتو اللہ کے لئے ہو، کفر پر رجوع ہونے کوآگ میں ڈالے جانے سے زیادہ مبغوض رکھے۔(شفاء شریف حصہ دوم ص ۵۷)

حضرت انس ہی سے مروی ہے، حضور سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا۔تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو تمام اولاد، ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔(حوالہ سابق)

جان سے زیادہ محبوب:۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان جو میری جان پوشدہ ہے۔اس کے علاوہ آپ مجھے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ یہ سنکر حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جبکہ میں اس کو اُس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں۔ یہ ارشاد مبارک سنکر حضرت عمر نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپکو حق وصداقت کے

ساتھ کتاب ہدایت دیکر مبعوث فرمایا ہے۔آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ یہ سنکر حضور ﷺ نے فرمایا اے عمراب تمہارا ایمان مکمل ہوگیا۔

صفوان بن قدامہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد میں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یارسول اللہ علیہ السلام اپنا دست اقدس عنایت فرمائیں۔تاکہ میں بیعت کروں۔اس وقت میں نے عرض کیا۔یارسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، حضور نے فرمایا انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کیساتھ ہوتا ہے۔

محبت کا نرالا انداز:۔ حدیث میں ہے ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مجلس رسول علیہ السلام میں بیٹھ کر ٹکٹکی باندھ کر حضور علیہ السلام کو دیکھتا رہا اور کسی جانب اس نے توجہ نہیں کی، حضور اکرم ﷺ نے اس کو جب اس حال میں دیکھا تو اس سے دریافت فرمایا، وہ محبّ صادق عرض گذار ہوا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔آپ کے چہرۂ تاباں سے فیض حاصل کررہا ہوں۔لیکن دل میں یہ خیال ہے کہ بروز محشر جب آپ ارفع واعلیٰ مقام پہ ہونگے۔اس وقت میرا کیا حال ہوگا۔ایک قول کے مطابق اس محبّ صادق کے اس کہنے پر آیت مبارکہ نازل ہوئی۔وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقاً اور جو شخص اللہ اوراس کے رسول کے احکام کی پیروی کرے گا وہ ان حضرات کے ساتھ ہوگا۔جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔یعنی انبیاء، صدیقین، شھدا اور صالحین اور یہ لوگ کیسے اچھے ساتھی ہیں۔(النساء آیت ۶۹)

موت سے ہر جاندار خوف کھاتا ہے، مرنے سے ہر آدمی ڈرتا ہے۔موت کی آہٹ محسوس کرکے خود بخود دم گھٹنے لگتا ہے۔لیکن محمد عربی ﷺ کے سچے وفاداروں کو موت کے وقت غم نہیں ہوتا اور ڈر نہیں محسوس ہوتا، بلکہ اس بات کی بے چینی رہتی ہے کہ روح پرواز ہو اور وصال یار کی لذتوں سے ہمکنار ہوں۔مرنے کے بعد قبر میں ہر شخص کو حضور کی زیارت کرائی جاتی ہے اور قبر کا آخری سوال آپ ﷺ ہی سے متعلق ہوتا ہے۔

لہٰذا جس کے دل میں حضور کی سچی محبت اور تڑپ ہوگی اور ایمان پر خاتمہ ہوا ہوگا وہ قبر کے

سوالوں کا صحیح جواب دیگا اور کہے گا کہ یہ ہمارے آقا و مولیٰ، غمخوار نبی ﷺ ہیں، وہی کامیاب ہوگا۔ اور جس کسی نے یہ کہا کہ یہ ہماری ہی طرح بشر ہیں یا بڑے بھائی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ان پر وحی اترتی تھی یا یہ کہ ہمیں ان کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ یہ کون ہیں تو ضرور ضرور ایسے لوگ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہونگے، قیامت تک فرشتے اُن پر عذاب نازل کرتے رہیں گے اور ابتلاؤں سے گذارتے رہیں گے۔

ایک صحابیہ کا عشق:۔ حضور نبی کریم علیہ السلام جب جنگ اُحد سے مدینہ منورہ واپس لوٹ رہے تھے۔ آپ کا گذر بنو دینار کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا۔ جس کے شوہر، بھائی اور والد تینوں خلعت شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ جب اس کے شوہر بھائی اور والد کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگی رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا ام فلاں! حضور بخیر ہیں اور بحمد اللہ جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں۔ خاتون نے کہا ذرا مجھے دکھلا دو، میں بھی زیارت سے مشرف ہولوں۔ لوگوں نے اسے اشارے سے بتلایا۔ جب اس عورت کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو بیساختہ پکار اٹھی ☆☆☆ آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (الرحیق المختوم ص ۴۳۹، ۴۴۰)

دعویٰ محبت: یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے محبوب کی ذات اور احکام کی موافقت کرتا ہے۔ اس کے اتباع کو اپنے اوپر لازم اور ضروری کر لیتا ہے۔ بصورت دیگر اس کا دعویٰ محبت صادق نہیں۔ بلا شبہ جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اتباع نبوی نہیں کرتا وہ محبت میں سچا نہیں ہے۔

علامات محبت:۔ حضور سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ حضور کے احکام اور اوامر کی پابندی کی جائے اور آپ نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے یا جس چیز کو ناپسند کیا ہے اس سے دور رہا جائے، حضور کے جس قدر فرامین اور سنتیں ہیں ان پر حتی المقدور عمل کیا جائے، اپنے قول وفعل میں حضور ہی کے قول وفعل کو نمونہ بنایا جائے۔

خوب خوب آپ کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ آپ کے فضائل وکمالات کا بیان کرنا بھی اللہ کی

سنت اور طریقہ ہے، جب آپ کا نام نامی اسم گرامی سنا جائے تو آپ پر درود وسلام بھیجا جائے، آپ کے ذکر سے لطف اندوز ہونا اور درود وسلام کی کثرت کرنا بھی محبت کی دلیل ہے۔ آپ کی سنت وطریقہ کے مقابلہ میں کسی رسم ورواج یا تحریک یا شخصیت کو دلیل بنانا بے ایمانی اور نفاق ہے۔ جو باتیں حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہیں یہ جن کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے اور اس میں کوئی غیر شرعی امر نہیں ہے تو اس پر عمل کرنا اور جن چیزوں کی ممانعت فرمادی ہے ان سے دور ونفور محبت کی پہچان ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے، احکام شرعیہ کی پاسداری نہیں کرتے، خلاف شرع امور میں ڈوبے رہتے ہیں، داڑھی منڈاتے ہیں۔ مغربی تہذیب وتمدن کے دلدادہ ہیں پھر بھی ان کا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ یا تو جہالت وسفاہت میں مبتلا ہیں یا پھر کذب بیانی کرتے ہیں۔

محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ حضور نے جن لوگوں کو محبوب رکھا یا جن سے محبت کرنے کا حکم دیا، ان کو محبوب رکھا جائے، ان کی پیروی کی جائے، ان کی دل آزاری سے بچا جائے اور ان کا خوب خوب احترام وتوقیر بجالایا جائے۔

حب نبی کی ضرورت

تمام مسلمانوں کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ حضور رحمت عالم، نور مجسم، ہادی اعظم ﷺ کی محبت و تعظیم ایمان کی اصل اور دین کی روح ہے۔ جس کے دل میں جس قدر محبت ہوگی اسی قدر اس کا ایمان اعلیٰ وارفع ہوگا۔ بغیر محبت رسول کے ایمان کا دعویٰ بے معنی اور اس جسم کی مانند ہے جسمیں روح نہ ہو۔

محبت رسول کی ضرورت: اللہ رب العزت نے اپنی معرفت اور اپنے وجود کا عرفان اپنے بندوں کو آپ ﷺ کے ذریعہ عطا فرمایا ہے۔

اللہ رب العزت سے بندے براہ راست فائدہ نہیں حاصل کر سکتے، اس لیے کہ خدا زمین و زمان اور مکان سے پاک ہے، جبکہ مخلوق محتاج ہے خالق کا اور اسباب ووسائل کا۔ بغیر کان کے آدمی سن نہیں سکتا، بغیر آنکھ کے آدمی دیکھ نہیں سکتا۔

اس لیے خدائے قادر وقیوم نے اپنے اور مخلوق کے مابین ایک وسیلہ اور ذریعہ قائم فرمایا تاکہ خالق ومخلوق، عابد ومعبود، ساجد ومسجود کے درمیان تعلق قائم ہو سکے۔ خدا کا کلام سننے کی بندے طاقت نہیں رکھتے، خدا کی قدرتوں کے ادراک کی مخلوق صلاحیت نہیں رکھتی، مغیبات پر عام مخلوق کی نظر نہیں پہنچتی، لہٰذا وہ پیغمبر جو خدا اور بندوں کے درمیان وسیلہ ہے، وہ خدا کا عرفان بھی بندوں کو عطا کرے اور خدا کے پیغام سے لوگوں کو مطلع بھی کرے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ دین کی بنیاد اور ایمان کی اصل حضور ہیں، جو اُن سے مستغنی و بے نیاز ہے وہ جہنمی ہے، اللہ نے ساری کائنات کو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کا محتاج بنایا ہے، اس کے بے شمار

دلائلِ کتاب وسنت میں موجود ہیں۔ اللہ نے اپنی فرماں برداری کے لیے حضور کی فرماں برداری کو لازم فرمایا کہ تم میں جو حضور کی فرماں برداری کرے وہ اللہ کے یہاں فرماں بردار ہے۔ جو ان کے حکموں سے سرتابی کرے، وہ خدا کے احکام سے منہ موڑنے والا ہے۔ ان سے محبت کرنے والا خدا کا محبوب ہوگا۔ ان کا مطیع خدا کا اطاعت گذار کہلائیگا، اُن کی تعریف وتوصیف بیان کرنے والا ذکر الٰہی کا لطف و اجر پائیگا، جو جتنیز یادہ رسول خدا سے محبت کریگا اسی قدر بلندی مراتب کا حقدار ہوگا، یہ بات قرآن، حضور کی احادیث، صحابہ کے افعال اور جمیع اسلاف کے اقوال وافعال سے ثابت ہے، جتنے صحابہ ہوئے وہ تمام امت سے ممتاز اور حضور اکرم ﷺ سے براہ راست استفادہ کرنے والے ہوئے، ان کی وفاداریاں، محبتیں، اطاعتیں، اثیار اور قربانیاں جانثاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اصحاب پیغمبر نے اپنا تن من دھن سب کچھ آپ پر قربان کر دیا، اپنی جانیں قربان کر دیں اور زبان پر حرف شکایت نہیں آیا، سر کٹا دیا مگر موقف سے نہیں ہٹے۔ اسلام کے دعویداروں میں علمائے نجد و دیوبند اور ان کے اذناب کے سوا کوئی ایسا نہیں گذرا جس نے حضور کی تحقیر کی ہو یا حضور کو اپنے جیسا سمجھا ہو، نبی کریم علیہ السلام کی توہین وتحقیر کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا، حضور کی اہانت تو بڑی بات ہے حضور کے کسی صحابی کی توہین بھی اہلسنت کے نزدیک کفر ہے، ایسوں کے دعویٰ ایمانی اور نماز وروزہ، تبلیغ، کرتا، پاجامہ، داڑھی کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ یہ سب اعمال کے قبیلسے ہیں۔ اعمال کے دیوار ایمان کی زمین پر تعمیر ہوتے ہیں اور جس کے پاس ایمان نہیں اس کے اعمال کی مثال اس عمارت کی سی ہے جسے کوئی شخص بیچ سڑک پر بنا دے۔ اب وہ عمارت چاہے جتنی لاگت سے بنی ہو، جتنی پختہ اور خوبصورت ہو گورمنٹ اُسے گروادے گی اس لیے کہ عمارت اپنی زمین پر نہیں تعمیر ہوئی ہے۔

محبت خدا ورسول کی اہمیت کا اندازہ قرآن کی اس آیت سے ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْ هَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَاوَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ

فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ. تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (التوبۃ ۹ آیت ۲۴)

اس آیت میں اس بات کی صراحت فرمادی گئی کہ دنیا کے ہر رشتے سے بڑا رشتہ اللہ ورسول کا ہے۔ اللہ ورسول کے مقابلہ میں اگر کسی اور سے آدمی محبت کرے تو یقیناً یا تو وہ کافر ہے یا نامراد۔

اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب مسلمانوں سے یہ کہا گیا کہ مشرکین سے ترک موالات کروتو ان میں بعض نے یہ کہا کہ یہ کیسے ممکن ہوگا کہ آدمی اپنے باپ، بھائی اور قرابتداروں کو چھوڑ دے، ان پر یہ واضح کیا گیا کہ ایمان واسلام کی خاطر یہ کرنا ہوگا۔ دین کے لیے دنیا کی تکلیفیں اور مشکلیں برداشت کرنی پڑیں گی اور اگر کسی نے اللہ ورسول کی محبت پر دوسروں کو ترجیح دی تو اُس کے لیے جلد یا بہ دیر عذاب ہوگا اور وہ قہرِ الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا: لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَیُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا.

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائیگا جن کے نیچے نہریں ہیں ان میں ہمیشہ رہیں ہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے (المجادلہ ۵۸ آیت ۲۲)۔ ہرگز ہرگز یہ مومنین کی شان نہیں کہ خدا اور رسول کے باغیوں اور دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں خواہ وہ رشتے میں کتنے ہی قریبی

کیوں نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ کافر، مشرک، منافق، بدمذہب، خدا ورسول کی اہانت کرنے والے سے مسلمانوں کو تعلق نہیں رکھنا چاہیے اور نہ رشتہ داری اختیار کرنی چاہئے۔

صحابہ نے قریبی رشتہ داروں کو قتل کیا: اللہ کے رسول ﷺ کے جانثار صحابہ نے اللہ کے حکم پر بدرجۂ اتم واکمل عمل کرکے دیکھایا، چنانچہ ابوعبیدہ نے اپنے باپ جرّاح کو جنگ احد میں قتل کیا، جنگ بدر کے دن حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن (یہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور کافروں کی طرف سے جنگ کررہے تھے، بعد میں ایمان لائے) کو مبارزت کے لیے طلب فرمایا لیکن حضور نے اس کی اجازت نہیں دی، مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا، حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو بدر کے دن قتل کیا، حضرت علی، حضرت حمزہ اور ابوعبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو ان کے رشتہ دار تھے (خزائن العرفان)۔

ایمان اسے کہتے ہیں، محبت کے دعویدار تو بہت ملیں گے، لیکن کس کی محبت سچی ہے یہ تو اسی وقت پتہ چلتا ہے جب آدمی آزمائش اور امتحان میں پورا اترتا ہے۔

محبت کرنے والا عیب نہیں ڈھونڈتا: ماننے کا مطلب اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے محبت ہے اُس کی ہر ادا اور ہر چیز سے محبت کی جائے، چاہنے والا اپنے محبوب میں عیب نہیں تلاش کرتا اور نہ کمی ڈھونڈتا ہے بلکہ وہ محبت میں ہر لمحہ محو رہتا ہے، ہر جگہ اور ہر شئی میں اسے اُس کا محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔

اور جن لوگوں پر اللہ اپنا فضل فرماتا ہے اور اپنی محبت کی عظیم نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو پھر کیا پوچھنا، ان کی نظر میں دنیا اور اسباب دینا کی حیثیت حقیر ترین ذرے سے بھی کم ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے ماں باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (انوارالحدیث ص ۸۷)۔

مومن کامل کی نشانی یہ ہے کہ مومن کے نزدیک رسول خدا ﷺ تمام چیزوں اور تمام لوگوں سے

زیادہ محبوب و معظم ہوں۔اس حدیث میں حضور ﷺ کے زیادہ محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں حضور اقدس ﷺ کو اونچا مانے،اس طرح کہ حضور کے لائے ہوئے دین کو تسلیم کرے، حضور کی سنتوں کی پیروی کرے،تعظیم وادب بجالائے اور ہر شخص اور چیز یعنی اپنی ذات،اولاد،ماں، باپ،عزیز واقارب اور اپنے مال واسباب پر حضور کی رضا کو مقدم رکھے،جن کے معنی یہ ہوئے کہ اپنی ساری چیز یہاں تک کہ اپنی جان چلی جائے لیکن حضور ﷺ کے حقوق دبنے نہ پائیں۔

حضرت ملاّ علی قاری فرماتے ہیں حدیث مبارک میں حضور سے محبت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے،اس سے مراد محبت طبعی نہیں بلکہ محبت عقلی یا محبت ایمانی ہے،یعنی عقل اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جن پر یقین رکھتے ہو،جس کی پیروی کرتے ہو اس سے محبت کرو،تو نبی سے محبت کرنا اقتضائے عقل کی بناء پر ہے،یا ایمان کی بنیاد پر کہ ہمارا ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ہے اور ایمان کا مطلب ہے کہ کسی پر اپنا عقیدہ جمائے کہ یہ اس طرح ہے۔ بلاشبہ ہر مومن اس بات کا یقین رکھتا ہے اور یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے واجب الوجود ہے،وہی قادر وقیوم ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔یہ ایمان ہے،یعنی مومن کا ماننا تو اس سے واضح ہو گیا کہ آدمی اُسی کو مانتا ہے،اسی کی طرف اپنی فکر ونظر کو مرکوز کرتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے(انوار الحدیث ص ۸۸)۔

گویا کہ حضور سے محبت کا حکم بایں معنی ہے کہ یہ محبت عقلی ہے یا ایمانی۔

محبت رکھتے ہو تو فقر کی تیاری کرو: حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ کو بہت محبوب رکھتا ہوں،حضور ﷺ نے فرمایا سوچ کیا کہہ رہا ہے اس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی عرض کیا تو حضور نے فرمایا اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے،تو فقر کے لیے تیاری کرلے(شفاء شریف حصہ دوم ص ۷۱)۔

محبت کا مفہوم: سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حُبّ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سے محبت رکھے اور قرآن کریم سے محبت کا مطلب ہے کہ صاحب قرآن سے محبت رکھے اور حضور سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ سنت نبوی کا اتباع کرے۔

محبت کے بارے میں آرا: حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اتباع رسول کے اعتقاد کو کہتے ہیں

کہ اجراء سنت میں آپ کی معاونت اور مدد کو لازم جانے اور سنت کی پیروی کر کے مخالفین سنت کی مخالفت ہی نہیں بلکہ ان کی بیخ کنی کرے اور مخالفت سنت سے خوفزدہ رہے۔

چند اہل محبت نے فرمایا کہ محبوب کے ذکر کے دوام کا نام محبت ہے،بعض نے فرمایا کہ محبوب پر جان نثاری کو محبت کہتے ہیں،بعض کا کہنا ہے کہ محبوب کے شوق کا دوسرا نام محبت ہے،کچھ لوگوں نے کہا کہ دل رب کی مرضی پر چھوڑ دے کہ جو اس کو پسند ہو اس کو یہ بھی پسند کرے،جو بات محبوب کو ناپسند ہو اسے یہ بھی ناپسند رکھے،بعض نے کہا موافقت کی جہت پر دل کے میلان کا نام محبت ہے(شفاء شریف حصہ دوم ص ۷۱،۷۲)۔

ایمان کی تاثیر: حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ خدا کی قسم!پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا۔لیکن آج آپ کا وہی چہرہ سب سے زیادہ محبوب ہے،خدا کی قسم!میرے نزدیک کوئی آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ مگر اب آپ کا وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے،خدا کی قسم!میرے نزدیک کوئی شہر آپکے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا،لیکن اب آپ کا وہی شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔

عاشق کی موت: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کی بیوی نے غم سے نڈھال ہو کر کہا ہائے رے غم،یہ سن کر حضرت بلال تڑپ اُٹھے اور بولے،واہ رے خوشی۔میں کل تمام دوستوں سے یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔

حضرت علی کا حب رسول: حضرت علی سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو حضور سے کتنی محبت ہے؟ تو آپ نے فرمایا،خدا کی قسم!حضور ﷺ ہمارے مال،ہماری اولاد،ہمارے باپ،ہماری ماں،اور سخت پیاس کے وقت پانی سے بڑھکر ہمارے نزدیک محبوب ہیں(سیرت المصطفیٰ ص ۶۲۴؍۶۲۵)۔

الغرض یہ کہ،اللہ ورسول سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی ایسے کسی شخص سے تعلق نہ رکھے جسکو اللہ ناپسند فرماتا ہے اور نہ ایسا کوئی کام کرے جس سے اللہ ناراض ہو،اس لیے کہ اس کا یہ عمل دعویٰ محبت کے خلاف ہے،اور حضور سے محبت یہ ہے کہ ہر بات میں حضور کا اتباع اور پیروی کرے اوران کی غلامی کو سب سے بڑا سرمایۂ افتخار تصور کرے۔

فضائل درود شریف

اللہ تبارک وتعالیٰ اوراس کے فرشتے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، اور اللہ و رسول نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ایمان والے حضور پر درود شریف بھیجیں اور سلام پڑھیں ،قرآن مجید وفرقان حمید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰـئِكَتَـهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمَاً‘‘ ’’بے شک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔‘‘ (ا۔الاحزاب،۳۳ آیت ۵۶)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے، ہر ایک مجلس میں آپ کا ذکر کرنے والے اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ اوراس سے زیادہ مستحب ہے، یہی قول معتمد ہے اوراس پر جمہور کا اتفاق ہے۔اور نماز کے قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد درود شریف پڑھنا سنت ہے اور آپ کے تابع کرکے آپ کے آل واصحاب اور دوسرے مومنین پر بھی درود بھیجا جاسکتا ہے۔حضور کے بغیر کسی اور پر درود بھیجنا مکروہ ہے، درود شریف میں آل واصحاب کا ذکر متوارث ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل کے ذکر کے بغیر درود شریف مقبول نہیں۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے،علماء نے ’’اللهم صَلّ على محمد‘‘ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ’’یارب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما، دنیا میں ان کا دین بلند اوران کی دعوت غالب فرما، ان کی شریعت کو بقا عنایت کر، اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اوران کا ثواب زیادہ کر اور اولین وآخرین پران کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء ومرسلین وملائکہ اور تمام خلق پر اُن کی شان بلند کرکے۔‘‘ حدیث شریف میں ہے،

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جب درود بھیجنے والا مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔‘‘ مسلم کی حدیث شریف میں ہے کہ ’’جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔‘‘ ترمذی کی حدیث شریف میں ہے، ’’بخیل ہے وہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے۔‘‘ (خزائن العرفان حاشیہ ان اللّٰه و ملٰئكته.)

بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ (درود) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وثنا کرتا ہے، اور فرشتوں کی صلوٰۃ آپ کے لئے دعاء کرنا ہے۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں، بہت سے اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے استغفار مراد لیا جاتا ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ’’سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ سَبقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ‘‘ ہے یعنی میں انتہائی پاک اور مقدس ہوں میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔‘‘ آیت کریمہ ’’اِنَّ اللّٰـه وَمَلٰئكَتَة‘‘ سے مقصود بندوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ سے آگاہ کرنا ہے کہ عالم بالا میں اللہ تعالیٰ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف فرماتا ہے اوراَن گِنت فرشتے آپ کی جناب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔عالم بالا کی خبر دینے کے بعد اب اہل زمین کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں تاکہ عالم علوی وعالم سفلی کا اس پر اجتماع ہوجائے (تفسیر ابن کثیر مترجم جلد سوم)۔

درود شریف پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، ’’عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشَرًا‘‘ حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا

کہ اللہ کے رسول نے فرمایا جس نے مجھ پرایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔دوسری روایت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشَرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّتْ عَنْہُ عَشَرُ خَطِیَاتٍ وَرُفِعَتْ لَہٗ عَشَرُ دَرَجَاتٍ. حضرت انس نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پرایک بار درود بھیجا اس پر اللہ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔'' تیسری روایت: عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلیٰ النّاس بِیَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلَاۃً. ابن مسعود سے مروی ہے وہ کہتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بروز قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے وہ قریب ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوگا۔ابن مسعود ہی سے یہ بھی مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ مَلٰئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنَ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامُ، اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیر فرماتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

پانچویں روایت: حضرت ابو ہریرہ سے ہے انہوں نے کہا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلٰی رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ علیہ السَّلَامَ'' ''کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ تعالیٰ میری روح پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اُس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (الجامع الرضوی باب فضل الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

مفسر قرآن امام حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:''جب تک کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، اب یہ بندے کا اختیار ہے چاہے اس میں کمی کرے یا اسے کثرت سے پڑھے۔''
ایک حدیث میں فرمایا:''میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ

جو بندہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرمائے گا یہ سن کر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنا آدھا وقت درود شریف کے لئے وقف نہ کردوں؟ فرمایا: اگر تمہاری مرضی ہو، اس نے پھر عرض کیا میں اپنا دوتہائی وقت درود شریف میں نہ صرف کیا کروں؟ فرمایا: جیسی تمہاری مرضی، اس نے پھر عرض کیا کیا میں اپنا تمام وقت درود شریف کے لئے مخصوص نہ کردوں؟ فرمایا پھر تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت کے غم واندوہ سے نجات عطا فرما دے گا۔''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو باہر نکلتے اور فرماتے: ''تھرتھرا دینے والی (قیامت) آ گئی، جس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں سمیت آ گئی۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی: یارسول اللہ! میں رات کے وقت نماز پڑھتا ہوں، کیا میں اس کا تہائی حصہ آپ پر درود پڑھنے کے لئے خاص کردوں؟ فرمایا:''آدھا حصہ''میں نے عرض کیا کیا میں اس کا نصف حصہ آپ پر درود شریف پڑھتا رہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''دو تہائی'' میں نے عرض کیا کہ کیا میں اپنا تمام وقت درود شریف کے لئے وقف کردوں؟ فرمایا: پھر تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔''

حضرت اُبی بن کعب سے ہی مروی ہے کہ ''جب دوتہائی رات گذر جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، کپکپا دینے والی آ گئی، جس کے پیچھے ایک جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی، موت اپنی آفت سمیت آ پہنچی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، یہ فرمائیے کہ میں اس کے لئے کتنا وقت صرف کروں؟ فرمایا جس قدر چاہو، میں نے عرض کی، ایک چوتھائی، فرمایا جتنی مرضی ہو، اگر زیادہ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے کہا: نصف، فرمایا: جیسے چاہو اور اگر اس پر اضافہ ہو سکے تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کی: دوتہائی۔ فرمایا جیسے تمہاری مرضی لیکن اس پر بھی اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے، میں نے عرض کی کہ میں اپنا تمام وقت اس کے لئے خاص کرتا ہوں۔ فرمایا: پھر تو تمہارے مصائب ختم

ہو جائیں گے۔اورتمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''ایک اورروایت میں یہ الفاظ ہیں کہ''پھرتو اللہ تعالیٰ تمہاری دنیاوآخرت کی تمام مشکلیں آسان کردے گا۔''(تفسیر ابن کثیر مترجم جلد سوم)

درود شریف کے الفاظ

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے''ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ پرسلام بھیجنے کی کیفیت تو معلوم ہے لیکن آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہا کرو''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحمدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحمّدٍ کَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰی اِبراهیمَ وَعَلَی آل ابراهیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.'' حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ''جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو عمدہ طریقے سے بھیجو، بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے۔''لوگوں کی فرمائش پر آپ نے انہیں یہ درود سکھایا: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِین وِامامِ المتقین وخَاتَمِ النبیین محمدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوْدًا یَغْبِطُهُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کو درود شریف کے یہ کلمات سکھائے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحمدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحمّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبراهیمَ وَآلِ ابراهیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجیدٌ وَارْحَمْ محمداً وَّآلَ محمدٍ کَمَا رَحِمْتَ آلَ ابراهیمَ اِنَّکَ حمیدٌ مجیدٌ، وَبَارِکْ عَلٰی مُحمدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحمّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبراهیمَ وَ آلِ ابراهیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.'' اس کے علاوہ درود شریف کے بہت سے الفاظ وکلماتِ منقول ہیں، یہ الفاظ وکلماتِ درود شریف تفسیر ابن کثیر سے نقل کئے گئے ہیں۔

درود شریف کی فرضیّت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا فرض ہے جو کسی وقت یا تعداد کے ساتھ محدود

نہیں، کیونکہ رب کریم نے اس کے بارے میں مطلقاً فرمایا ہے۔ علمائے امت اور صلحائے امت نے اس حکم کو بالا جماع وجوب پر محمول فرمایا ہے، ابو جعفر طبری نے آیت درود کو استحباب پر محمول کیا ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ اجماع بھی اسی پر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے ایک مرتبہ سے زیادہ پڑھنے کو مستحب کہا ہے کیونکہ ایک مرتبہ پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، اور پھر گناہ نہیں لازم آتا۔ جس طرح کہ حضور علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی شہادت عمر میں ایک مرتبہ ہی دینا فرض ہے۔ اور اس کے بعد اس کا تکرار مستحب اور محبوب اور اہل اسلام کے شعائر وعلامات میں سے ہے۔

پوری عمر میں ایک بار درود شریف فرض ہے

قاضی ابوالحسن قصار نے فرمایا کہ''ادائے درود انسان پر مطلقاً واجب ہے اور قدرت کے باوجود عمر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے۔'' قاضی ابوبکر بن بکیر نے فرمایا:''رب العالمین نے مخلوق پر فرض فرمایا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام پر درود وسلام پیش کریں اور اس میں وقت وتعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اس سے غفلت نہ برتے اور کثرت سے درود وسلام پیش کرتا رہے۔''

ابو محمد بن نصر نے کہا کہ''نبی علیہ السلام پر مطلقاً درود بھیجنا واجب ہے۔'' ابو عبداللہ محمد بن سعید نے فرمایا ہے:''امام مالک اور ان کے رفقاء کا مسلک یہ ہے کہ ایمان کے بعد حضور علیہ السلام پر درود عرض کرنا فرض ہے اور اس میں نماز کی تخصیص نہیں، اگر کسی نے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی درود پڑھ لیا تو اس سے فرض ساقط ہو گیا۔'' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کا مسلک یہ ہے جس درود کے پڑھنے کا حکم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے، ان حضرات نے فرمایا ہے کہ''اس کے علاوہ وہ درود واجب ہے جو نماز کے علاوہ ہے۔''

جعفر طبری، امام طحاوی نے علماء متقدمین ومتاخرین کا اجماع نقل کیا ہے کہ تشہد میں بھی درود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ''جس نے تشہد میں سلام سے پہلے درود نہ پڑھا اس کی نماز نہیں ہوئی۔''(شفاء شریف، حصہ دوم، ص ۱۱۶-۱۱۷۔)

درود شریف پڑھنے کا طریقہ

جس طرح درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی وقت یا تعداد مقرر نہیں کی گئی ہے، اُسی طرح کیفیت بھی مخصوص نہیں ہے، درود شریف پڑھنے کی مختلف صورتیں مختلف وقتوں میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً نماز میں تشہد میں سلام سے پہلے بیٹھ کر درود پڑھنا سنت ہے، جب کہ نماز جنازہ اور خطبۂ جمعہ وعیدین میں کھڑے ہوکر پڑھنا سلف وخلف کا معمول ہے۔

آیت کریمہ میں بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، صرف یہ حکم ہے کہ درود پڑھو، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح میسر ہو پڑھ سکتے ہو۔ جو لوگ نماز میں بیٹھ کر درود شریف پڑھنے کو دلیل بنا کر یہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوکر درود پڑھنا یا کسی اور طریقے پر پڑھنا غلط ہے وہ زیادتی کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے حکم بیان کرتے ہیں، اگر نماز میں بیٹھ کر پڑھنا مسنون ہے تو جمعہ، عیدین کے خطبے میں اور نماز جنازہ میں کھڑے ہوکر پڑھنا بھی مسنون ہے، لہٰذا درود وسلام کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، راستہ چلتے ہوئے، سونے سے قبل لیٹ کر ہر طرح جائز ومباح ہے۔ لیکن سوتے وقت درود پڑھتے تو پیر نہ پھیلائے کہ یہ ادب و تعظیم کا تقاضا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد اس کے محبوب سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سب سے محترم ومعظم ہے، آپ کی تعظیم وتوقیر اور محبت کو لازم قرار دیا گیا ہے، قرآن میں ہے: ”لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ“ چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی (حضور کی) تعظیم اور توقیر بجالاؤ (پ۲۶ ع۹)۔

ادب اور تعظیم

ادب اور تعظیم عرف پر محمول ہوتا ہے، کسی مقام پر وہی چیز معظم ومحترم سمجھی جاتی ہے، جب کہ دوسری جگہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اب رہا کھڑا ہونا تو پوری دنیا کے انسان کسی معظم دینی یا دنیوی کے لئے دست بستہ کھڑے ہونے، اس کے سامنے سر جھکانے اور نگاہوں کو نیچی رکھنے کو ادب اور تعظیم سمجھتے

ہیں۔ ابن مسعود کی روایت میں یہ بات گذر چکی کہ حضور پر عمدہ طریقے پر درود وسلام بھیجو، ممکن ہے تمہارا یہ درود پڑھنا حضور پر پیش کیا جائے۔ تو اب غور کریں کہ لیٹ کر، بیٹھ کر اور کھڑے ہوکر ان تینوں میں سب سے بہتر طریقہ کون سا ہے؟ ہر عقل مند جانتا ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنے میں زیادہ ادب ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صحابہ نے کھڑے ہوکر سلام نہیں پڑھا اس لئے یہ بدعت ہے یا یہ کہ اگر کھڑے ہوکر پڑھنا احترام وتعظیم ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ صحابہ نے کھڑے ہوکر نہ پڑھ کر معاذ اللہ توہین کی۔ اس قسم کے اعتراضات جہالت اور بداعتقادی کے سبب کئے جاتے ہیں۔

کھڑا ہونا بدعت نہیں

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں صحابہ نے نہیں کیا اور نہ اس کا حکم دیا، بعد میں وہ چیزیں وجود میں آئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب ناجائز وبدعت ہوں۔ بدعت اسے کہتے ہیں کہ ایسی نئی بات جو قرآن وسنت کے مخالف ہو، اگر ہر وہ بات جو صحابہ سے نہ واقع ہوئی ہو بدعت ہو تو پھر تو مدرسہ اور دار العلوم بنانا، جلسۂ تعزیت کرنا، سیرت النبی کے جلسے کرنا، عصر کے بعد جماعت نکالنا، نمازوں کے بعد پابندی سے کوئی مخصوص کتاب پڑھنا، مساجد کو مزین ومزخرف کرنا، مینار بنوانا یہ سب کے سب بدعت ہو جائیں، بعض لوگ اپنی بات منوانے کے لئے بدعت کے ساتھ ایک شرط کا اضافہ کرتے ہیں اور دلیل دیتے ہیں: ”مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ“ جس نے ہمارے دین میں نئی بات ایجاد کی وہ مردود ہے، اس سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد خوبصورت بنانا اور مدرسے تعمیر کرانا الگ ہے اور سلام وفاتحہ وغیرہ وغیرہ دین کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی یہ تفریق سراسر غلط ہے، جو کوئی مسجدوں کو مزین کراتا ہے یا مدرسے تعمیر کراتا ہے، یہی سمجھ کر کہ یہ دین کا کام ہے اور اس کے کرنے پر ثواب اور اجر ملے گا اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنے والا بھی اسی نیت سے پڑھتا ہے، تو اب غور کرنے کی بات ہے کہ جب صحابہ کے دور کے برخلاف مساجد کی تزئین کاری، مینار سازی، مدارس کی تعمیر، نماز کے بعد اپنے مسلک کی کتاب پڑھنا ثواب سمجھ کر بدعت اور شرک نہیں ہے تو پھر حضور پر درود وسلام بھیجنا کیونکر شرک وبدعت ہو گیا، یہ تو صرف اور صرف رسول دشمنی اور آقائے کریم کی عداوت پر مبنی ہے،

ورنہ کوئی مسلمان کیونکر اپنے نبی کی تعظیم واحترام سے جی چرائے گا اور حیلے بہانے تلاش کرے گا؟

اورتم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی نجد یو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فوائد

سب سے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی فرمابرداری ہوتی ہے اور اللہ اور فرشتوں کی موافقت ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ وَملٰئکته یصلون علی النبی'' اس کی رحمتوں کا حاصل ہونا، دس درجات کا بلند ہونا، دس گناہوں کا محو ہونا۔ بعض احادیث میں دس غلام آزاد کرانا اور بیس غزوات میں شریک ہونے کے برابر بھی آیا ہے۔ دعاء کا مقبول ہونا، حضور کی شفاعت نصیب ہونا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہادت دینا، نبی کا قرب حاصل ہونا، دوسرے لوگوں سے پہلے قیامت کے دن حضور سے ملنا، آنحضرت کا قیامت کے دن اس کے تمام کاموں کا متولی ہونا اور مقاصد کے لئے کافی ہونا، تمام ضروریات کا پورا ہونا، تمام گناہوں کا بخشا جانا، اور تمام برائیوں کا کفارہ ہونا، ایک قول کے مطابق فرائض قضا شدہ کی جانب سے کفارہ ہونا، مرضوں کی شفا، خوف وگھبراہٹ کا قریب نہ آنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور رضائے الٰہی کا حاصل ہونا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتوں کا رحمت بھیجنا، قیامت کے خوفناک مناظر سے نجات اور سکرات موت میں آسانی۔

حدیث شریف میں آیا ''جس شخص کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے تو بخیل ہے، گویا آنحضرت پر ظلم کیا اس پر بددعاء کی جاتی ہے۔ پل صراط پر گذرتے وقت نور کی زیادتی اور اس مقام پر ثابت قدمی (جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۲۶۱-۲۶۲۔)

اس کے علاوہ بھی بہت سارے فائدے ہیں درود وسلام پڑھنے کے، درود وسلام نہ پڑھنا اور پڑھنے والوں کی مخالفت محرومی اور گمراہی ہے، یہ بدعقیدگی کا ایک مہلک اور بھیانک مرض ہے کہ آدمی اپنے نبی کا دشمن اور باغی ہو جائے اور اُن کی عداوت کو اپنی زندگی اور جماعت کا نصب العین بنالے۔ اللہ جل مجدہ الکریم جملہ کلمہ گویان کو حضور کی محبت اور تعظیم واطاعت کامل کی توفیق عطا فرمائے اور سرکار مدینہ، سرور قلب وسینہ کی شفاعت عطا فرمائے۔ آمین

محبت اہلِ بیت

اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے گھرانے والے ہیں، اہل بیت سے کون کون لوگ مراد ہیں اس بارے میں علماء کے مختلف آرا ہیں، ایک معنی تو اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پیدا ہونے والے یعنی اولادیں۔ دوسرا معنی حضور اکرم ﷺ کے گھر میں رہنے والے جیسے ازواج مطہرات، ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل بیت سے مراد وہ حضرات ہیں جو حضور پاک کے گھر میں آتے جاتے تھے جیسے زید بن حارثہ، اسامہ بن زید، ایک معنی اس کا یہ بیان کیا گیا کہ جن کو زکوۃ و صدقہ لینا حرام ہے یعنی بنو ہاشم، عباس۔ علی، جعفر، حارث کی اولاد (مرأۃ المناجیح جلد ہفتم ص ۳۷۲ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ)۔ قرآن پاک میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالُوْ آ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِاللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبھا کرتی ہو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اے اس گھر والو بیشک وہی ہے سب خوبیوں والا عزت والا (سورہ ھود۔۱۱ آیت ۷۲ ترجمہ کنزالایمان)۔

فرشتے جب لوط علیہ اسلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے اترے تو عذاب مسلط کرنے سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ اسلام کے یہاں حاضر ہوئے، فرشتے آدمیوں کی صورت میں تھے اس لئے حضرت ابراہیم نے سمجھا کہ مہمان ہیں، پچھلے پندرہ روز سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا اس لئے آپ نے مہمانوں کے لئے فوراً بھُنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ لیکن فرشتوں نے کھانا نہیں تناول فرمایا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احساس ہوا کہ یہ آدمی نہیں ہیں آپ دل ہی دل میں ڈرے، تب فرشتوں نے کہا

ڈرو نہیں ہم قوم لوط کے لیے عذاب لیکر نازل ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی بی بی پس پردہ کھڑی تھیں وہ ہنسنے لگیں۔ فرشتوں نے انہیں حضرت اسحٰق اور اسحٰق کے بیٹے یعقوب کی خوشخبری سنائی اس پر حضرت سارہ کو حیرت ہوئی کہ بوڑھاپے میں کیسے اولاد ہوگی اسی بات کو گذشتہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی، اس آیت میں اہل بیت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی اہلیہ حضرت سارہ کے لیے استعمال ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت بیویاں ہی ہوتی ہیں۔ دوسری جگہ اہل بیت کا لفظ سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے تذکرے میں وارد ہوا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَ کُمۡ تَطۡهِیۡراً، اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور رکھے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! (الاحزاب ۳۳ - آیت نمبر ۳۳)۔ شیعہ حضرات اہل بیت سے مراد صرف پنجتن پاک کو لیتے ہیں، حالانکہ اس آیت کا سیاق وسباق نبی کریم ﷺ کی بی بیوں کے بارے میں ہے، اگر بیچ میں آیت کے ایک ٹکڑے سے مراد صرف پنجتن پاک ہوں تو یہ بات بے ربط ہوگی کہ پہلے نبی کی بی بیوں کا ذکر ہو رہا ہے اسی درمیان پنجتن پاک کا ذکر ہو پھر بی بیوں کا۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں کہ آیت میں مراد صرف پنجتن پاک ہیں بلکہ ازواج مطہرات حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنینکریمن مراد ہیں۔

رہی وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ حضور نے اپنی چادر مبارک میں علی، فاطمہ اور حسنین کریمن کو داخل فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت ہیں، اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ازواج اہلبیت میں شامل نہیں ہیں، بلکہ اہلبیت تو بیبیاں ہی ہوتی ہیں، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ داماد اور نواسے اہل بیت میں نہیں شمار ہوتے لیکن یہ حضور کی خصوصیت اور اختیار ہے کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی اور داماد اور اپنے نواسوں کو اہلبیت میں شامل فرمایا، تھوڑی عقل والا بھی جانتا ہے کہ بیبیاں اور بچے ہی گھر والے ہوتے ہیں۔ حدیث میں مذکورہ چاروں کو اہلبیت فرمانا اس لیے ہے کہ عام رواج کے مطابق کہیں اہلبیت سے یہاں بھی صرف ازواج اور میری اولادیں نہ مراد لی جائیں اس لئے ان حضرات کے

مرتبے اور خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے متعدد حدیثوں میں ارشاد فرمایا کہ میرے اہلبیت سے محبت کرو۔ فاطمہ کی خوشی میں میری خوشی ہے اور ان کی ناراضگی میں میری ناراضگی ہے۔ کہیں فرمایا کہ میرے نواسے حسنین کریمن سے محبت کرو، اور خود حضور نے اپنے اہلبیت سے محبت فرمائی اور اس کا اظہار بھی فرمایا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام حضرت فاطمہ کو بے حد پیار کرتے تھے۔ جب وہ آپ کے پاس آتیں تو سرکار کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی کو چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

شدّاد بن عمّار کہتے کہ میں واثلہ بن اسقع کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت علی کا ذکر ہو رہا تھا اور یہ لوگ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا، جب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو حضرت واثلہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے بھی حضرت علی کو برا بھلا کہا؟ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھ سے بھی گستاخی ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے رسول ﷺ سے بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔ میں حضرت فاطمہ کے یہاں گیا اور ان سے حضرت علی کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا کہ وہ بارگاہ رسالت میں گئے ہیں، میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور نبی رحمت شفیع امت ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور امام حسن و حسین بھی تھے، دونوں شہزادے حضور کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ گھر تشریف لائے، حضرت علی اور فاطمہؓ کو اپنے قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھالیا۔ دونوں شہزادوں کو اپنے رانوں پر بٹھا لیا۔ پھر اُن پر اپنی چادر ڈال دی اور انّمایریدُ الله لیذھبَ کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہلبیت زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ان سے ناپاکی دور رہے (تفسیر ابن کثیر اردو جلد سوم ص ۸۰۶ زیر آیت انّمایریدُ الله)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور حضرت علی، فاطمہ اور امامین جلیلین سیدین کو کتنا محبوب رکھتے تھے، گویا کہ حضرت علی کو برا کہنا کسی اچھے آدمی کا کام نہیں ہوسکتا، اہلبیت کرام سے

محبت حضور کی محبت کے سبب سے ضروری ہے، جو اہلبیت کی شان میں اہانت کرتا ہے اور ان کی تحقیر کرنے کو مدح صحابہ سمجھتا ہے اور ان حضرات کے مقابلہ یزید پلید جیسے دنیادار، فاسق وفاجر کی طرفداری کرتا ہے وہ اہل سنت سے نہیں بلکہ وہ خارجی وناصبی ہے اگر اُس کے دل میں حضور کی محبت ہوتی تو کبھی آپ کے قرابتداروں کی توہین نہیں کرتا اور جس کا دل حب رسول سے خالی ہے وہ مسلمان نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ ورسول کے ماننے کا نام ایمان ہے اور انسان جس کو مانتا ہے پہلے اس سے محبت کرتا ہے بغیر محبت کے ماننے کا کوئی مطلب نہیں بلکہ وہ ایک دھوکہ اور فریب ہے۔

اہل بیت نبی پر صدقہ حرام ہے: نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت کے اوپر صدقہ حرام ہے، ساری امت کے لیے بوقت حاجت صدقہ لینا جائز ہے، مگر اہل بیت نبوت کے لئے کسی بھی حال میں صدقہ جائز نہیں، عَنْ محمد بن زیادٍ، قالَ: سَمِعْتُ اَبا هُريرة، قال: اَخَذَ الْحسنُ بنُ علِیّ تمرةً من تمرِ الصدقة، فجعلها فی فِيْه، فقال النبی ﷺ کخ کخ لیطرحها، ثُمَّ قال: اماشعرتَ انالا ناكل الصدقة؟ محمد بن زیاد سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ابو ہریرہ سے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن بن علی نے صدقہ کے کھجور میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال لیا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کخ کخ تاکہ وہ اسے اُگل دیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے (المنتقی من حدیث المصطفیٰ)۔

اس حدیث مبارک سے حضور رحمت عالم ﷺ کے خاندان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس طور پر کہ امت کے لئے بوقت ضرورت صدقہ حلال ہے مگر خاندان رسول کے لیے بہر حال حرام ہے اس لئے کہ صدقہ مال کا میل ہوتا ہے اور اللہ ورسول کو یہ گوارہ نہیں کہ رسول ﷺ کے گھرانے والے مال کا میل کھائیں، وہ نسباً طیب وطاہر ہیں اس لیے ان کی غذا بھی پاکیزہ اور ستھری ہوگی۔

فضیلت علی مرتضیٰ: ہند میں وہابی دیوبندی فرقہ کے بانی مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں، اور حضرت علی مرتضیٰ کے لیے شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمابرداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے

باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے، اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ ان میں سے بعض بزرگوں نے اَعْلَی اللّٰہ دَرَجاتهم فی العلیین اس کام میں بہت ساری کوشش کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اُٹھائی ہیں اور اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں پس قیامت کے دن بہت فرمابرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبوں والے ہونگے۔ حضرت مرتضیٰ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا (صراط مستقیم مترجم ص ۱۱۶۔۱۱۵، از شاہ اسمٰعیل دہلوی)۔ اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی کا مقام ومرتبہ اور محبوبیت کس قدر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے، میں نے وہابی فرقہ کے بانی کی کتاب سے یہ اقتباس اس لیے پیش کیا ہے تاکہ جوان کے پیروکار ہیں وہ دیکھیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں اُن کے پیشوا کا کیا نظریہ ہے۔ اس کے برخلاف دیوبندی اور جماعت غیر مقلدین سے تعلق رکھنے والے اکثر افراد اہل بیت نبی کے سلسلے میں بداعتقادی اور کوتاہ فکری کے شکار ہیں اور بہت سارے جاہل تو یہ سمجھے ہیں کہ جو کوئی حضرت علی اور فاطمہ اور حسنین کا ذکر کرے وہ معاذ اللہ شیعہ ہے، حالانکہ اہل تشیع کو حب علی سے کیا واسطہ ان کا دین تو بغض صحابہ اور اہانت شیخین ہے۔

فرقۂ دیوبندیہ کے ایک شدت پسند رہنما مولوی عبد الشکور کاکوری کی کتاب سے ہم ایک اقتباس پیش کررہے ہیں تاکہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے، ابن عباس سے روایت ہے کہ جب مدائن فتح ہوا اور مال غنیمت آیا تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ مسجد میں فرش بچھایا جائے اور اس پر مال کے ڈھیر لگائے جائیں، پھر تمام صحابۂ کرام جمع کئے گئے، سب سے پہلے آپ نے حضرت حسن کو ایک ہزار درہم دیئے، اور حضرت حسین کو ایک ہزار درہم دئے، حضرت عبداللہ کو پانچ سو درہم دیئے، انہوں

نے کہا امیر المومنین میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاد کرتا تھا اور حسنین اس وقت بچے تھے مگر آپ نے اُن کو ہزار ہزار درہم دیئے اور مجھکو پانچسو تو فرمایا کہ اچھا جیسے باپ ان کے ہیں ویسا باپ اپنا دکھلاؤ اور ان کی ماں ایسی ماں، ان کے نانا کا ایسا نانا اور ان کی نانی کی ایسی نانی ان کے چچا کے ایسا چچا اور ان کے ماموں کے ایسا ماموں اور ان کی خالہ کی ایسی اپنی خالہ پیش کرو، ورنہ اب کبھی ان کی برابری نہ کرنا، سنو ان کے والد علی مرتضیٰ ہیں اور ان کی ماں فاطمہ زہرا اور ان کے نانا مصطفےٰ جان رحمت ﷺ اور ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے چچا جعفر بن ابی طالب اور ان کی خالہ رقیہ اور ام کلثوم ہیں جو رسول خدا ﷺ کی صاحبزادی ہیں (خلفاے راشدین ص۱۰۴/۱۰۳ مولوی عبدالشکور کاکوروی)۔

حضرت علی سے دشمنی نفاق کی علامت ہے: حضرت علی کی فضیلت میں حضور کا یہ فرمان کہ علی کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور حضرت علی سے بغض وعداوت نہیں رکھتا مگر منافق (شفاء شریف حصہ دوم ص۹۸)۔

حسنین کریمین سے محبت: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے امام حسن سے محبت کی اس نے اللہ کو محبوب رکھا، حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس نے مجھ سے محبت رکھی (حضرات حسنین کریمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اور ان دونوں صاحبزادگان اور ان کے والدین سے محبت رکھی وہ روز قیامت میرے ساتھ ہوگا (شفاء شریف دوم ص۹۹)

احترام نسبت: حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی ضرورت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گیا تو جناب عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا آئندہ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیجئے یا خط لکھ دیجئے میں اس وقت نہایت شرمسار ہوتا ہوں جب آپ میرے پاس کسی ضرورت سے تشریف لاتے ہیں (حوالہ سابق ص۱۰۱)۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا سکتا ہے کہ حضور کے اہل بیت کی محبت اور تعظیم، ان کا احترام کتنی عظیم نعمت ہے، اہلبیت نبوی سے محبت درحقیقت حضور ہی سے محبت ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی ہر چیز سے محبت کرتا ہے اس کے دوستوں کو اپنا دوست اس کے گھر والوں کو اپنا قریبی سمجھتا ہے، جو حضور سرور عالم ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ ضرور آپ کی اولاد اطہار اور قرابتداروں سے محبت رکھے گا۔

صحابۂ کرام کی محبت و تعظیم

صحابی وہ خوش نصیب مسلمان ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور ایمان پر خاتمہ ہوا، یہ ایسا بلند مرتبہ ہے جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے نہیں حاصل کر سکتا، لاکھ عبادتیں، ریاضتیں آدمی کر لے لیکن درجۂ صحابیت کو نہیں پاسکتا، جن نظروں نے محبوب رب العالمین کا دیدار کیا ہو یا جن پر حضور رحمت عالم کا نظر کرم پڑ چکا ہو اس ایک نظر کی اہمیت اور قیمت کا کوئی کیسے اندازہ کر سکتا ہے۔ محبّ صادق کے لیے محبوب کا دیدار یا محبوب کا نظر کرم فرمانا ہی سب کچھ ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر نعمت ہیچ اور کمتر ہے۔

حضور کے اصحاب دنیا کے تمام اصحاب سے ممتاز اور بلند تر ہیں۔ صحابہ کی عظمت اور بلندی حضور کے سبب سے ہے، اس لیے کہ ساری کائنات میں سب سے افضل واعلیٰ آپ کی ذات ہے، لہٰذا جو آپ سے منسوب ہوگا وہ بھی لازماً دوسروں سے بلند تر اور افضل ہوگا، تمام انبیاء کے اصحاب ہوئے ہیں لیکن ان میں رتبۂ بلند حضور کے اصحاب کو حاصل ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے اصحاب کی عظمت ومحبوبیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں (البینۃ آیت ۸ پ۳۰)۔

اس آیت کریمہ کے اندر دو باتیں بیان کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب کے بارے میں خدائے قدوس فرما رہا ہے کہ وہ ان سے راضی ہے، یہ اس کا کرم اور احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں سے راضی ہو، ہر مذہب، ہر قوم کا پیروکار اسی لئے اپنے مذہبی احکام کی پابندی کرتا ہے

تاکہ اس کا خدا اس سے راضی ہوجائے نمازی، حاجی، روزہ دار، غازی، شہید، عالم وفاضل، متقی و
متورع سب رب تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں لیکن صحابہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ دنیا ہی میں اللہ
تعالیٰ اُن سے راضی ہونے کا اعلان فرمارہا ہے، اور آگے فرمایا جارہا ہے کہ صحابہ بھی اپنے خدا سے راضی
ہیں، یہ عجیب وغریب بات ہے، اللہ کا راضی ہونا تو قابل فہم ہے، لیکن صحابہ کے راضی ہونیکا کیا مطلب
ہے؟ بندے اگر خدا سے راضی نہ ہوں تو اس سے خدا کو کیا فرق پڑلگا، ہاں اگر اللہ راضی نہ ہو تو اپنی
رحمتوں اور نعمتوں سے محروم کردیگا۔ عذاب میں مبتلا کردیگا۔

آیت کا مطلب ہے کہ اللہ نے صحابۂ کرام کو جن آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا، مصائب
کی اُن گھڑیوں میں رسول اللہ کے جانثار صحابہ ثابت قدم رہے، اور اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم
کیا۔ خدا ورسول کے حکم سے سرتابی نہیں کی، جس چیز کا خدا اور اس کے رسول نے حکم فرمایا صحابہ نے
اُسے بسروچشم قبول کیا اور جس چیز سے منع فرمادیا وہ چاہے کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو، اسے آپ کے
اصحاب نے چھوڑ دیا۔

حضور اکرم ﷺ کے اک اک اشارے پر آپ کے اصحاب نے جانیں نچھاور کردیں۔
گردنیں کٹادیں، اسلام کو اور اللہ کے دین کو نبی اکرم ﷺ کے جانثار صحابہ نے جبراً قبول نہیں کیا تھا بلکہ
اپنی فطرت اور طبیعت کو اللہ ورسول کی مرضی کے تابع کردیا تھا، اس لیے فرمایا گیا کہ اللہ ان سے راضی
ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں، یہ اتنا بڑا اعزاز اور سند ہے جسکا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

دوسری جگہ اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب کے ساتھیوں کا تعارف اس انداز میں فرماتا
ہے، **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** محمد اللہ کے رسول ہیں،
جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر نہایت درجہ سخت اور آپس میں رحم دل ہیں (الفتح ۴۸ آیت ۲۹)۔

صحابہ کی شان یہ ہے کہ کافروں، مشرکوں، بدمذہبوں اور گستاخوں کے لیے کوئی نرمی نہیں بلکہ ان
کے حق میں سخت ہیں اس لیے کہ یہ سب خدا ورسول کے دشمن اور باغی ہیں، اس کے برخلاف مسلمانوں کے
حق میں نہایت درجہ مہربان اور نرم دل ہیں۔ ایک جگہ فرمایا گیا **والسابقون الاوّلون من المهاجرين**

والانصار ایمان لانے والوں میں سب پر سبقت رکھنے والے مہاجر وانصار ہیں (التوبہ ۹ آیت ۱۰۰)۔

اس جگہ ان اصحاب پیمبر کی مدح فرمائی گئی ہے جنہوں نے اسلام کا پیغام قبول کرنے میں
جلدی کی، جب حضور سید عالم ﷺ نے دعوت حق پیش فرمایا تو انہوں نے قبول کرنے میں سبقت
کی، جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی وہ مہاجرین اور انصار ہیں، مہاجرین اور انصار کے
درجہ کو دوسرے لوگ نہیں پاسکتے۔

صحابہ کرام کے جس قدر مراتب اور فضائل ہیں وہ سب موقوف ہیں نبی کونین، مالک دارین
ﷺ کی نسبت غلامی اور قربت پر، صحابۂ کرام کو حضور سے حد درجہ محبت تھی، اپنی جان دینا گوارہ تھا مگر
حضور کو تکلیف پہنچے یہ ہرگز ہرگز برداشت نہیں تھا، نبی کی توہین اور ادنی گستاخی صحابہ کے لیے ناقابل
برداشت تھی۔

جن کے دل میں جس قدر حضور کی محبت وتوقیر ہوگی اسی قدر وہ صحابہ کا محبّ اور معتقد ہوگا۔
بعض لوگ صحابہ کی خوب تعریف کرتے ہیں اور جب نبی کی تعریف اور مدحت سرائی کی بات آتی ہے تو
چیں بہ جبیں ہونے لگتے ہیں، ان کی پیشانیوں پر بل آجاتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ قرآن وحدیث میں
نہیں ہے کوئی بتاتا ہے کہ یہ بدعت ہے اس طرح کی باتیں بداعتقادی کے سبب پیش آتی ہیں۔ غور
کرنے کی بات ہے حضور کی نسبت کے سبب اصحاب کی تعریف اگر لائق تحسین وآفریں ہے تو پھر حضور
کی تعریف، نعت خوانی، نذرانۂ سلام اور میلاد وجلوس کیونکر ناجائز وبدعت ہوگا۔ صحابہ یا اہل بیت کو
فضیلت حاصل ہے سرکار کی غلامی اور قرابت کے سبب، کوئی صحابہ کی فضیلت بیان کرے اور حضور کو
اپنے جیسا کہے وہ گمراہ بددین ہے، اسی طرح کوئی حضرت علی، فاطمہ، امام حسن وحسین کی تعریف
وتوصیف کرے حضور سے جدا کرکے یا اہلبیت کی تعریف کرے اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما کی یا
دیگر صحابۂ کرام کی اہانت کرے، ان کی شان میں تبرا کرے تو ضرور ضرور وہ بدعتی خارج اہلسنت رافضی
ہے، مسلمانوں کو ان سے دور رہنا چاہیے۔

صحابہ ستاروں کی طرح ہیں:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ان کی

اقتدا کرو جو میرے بعد ہیں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) حضور نے مزید ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں
کی مانند ہیں ان میں سے جن کی بھی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے، اسی لیے سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ
عنہ نے فرمایا۔

اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور - نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

حضور نے صحابہ کی مثال ستاروں سے اور اپنے اہل بیت کی مثال کشتی سے دی ہے۔اسی کو اس
شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کھانے میں نمک کیونکہ کھانا
بغیر نمک کے ٹھیک اور مکمل ہوتا ہی نہیں ہے (شفاء شریف حصہ دوم ص۱۰)۔

سرور کائنات فخر موجودات ﷺ نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ رب
العالمین اس کے ملائکہ اور تمام انسانوں کی جانب سے لعنت ہو اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے
فرائض ونوافل بھی مقبول نہیں ہونگے، حضور نے فرمایا جب بھی صحابہ کا تذکرہ ہو تو خاموشی سے سنو
(حوالہ سابق)۔

صحابہ کو بُرا نہ کہو: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا میرے صحابہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی نہ
کرو۔انہیں برا نہ کہو، تم میں کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو بھی اس کا
اتنا اجر نہیں ملیگا جتنا کہ صحابی کو ایک رطل یا اس کے آدھا اللہ کی راہ میں دینے سے ملیگا۔

بعض لوگ اگر چہ سنی ہیں مگر خبط عقل اور شیعوں کی صحبت کے سبب حضرت امیر معاویہ اور
حضرت ابوسفیان وعمرو بن العاص جیسے صحابہ کو برا کہتے ہیں۔یہ سراسر غلط ہے، یہ وہ حضرات ہیں جنکا
ایمان اللہ نے قبول فرمایا اور اس کے رسول نے پھر دوسرا کون ہوتا ہے جو انہیں برا گمان کرے، صحابہ
کے مابین بعض ایسے امور واقع ہوے جو ہماری عقل سے بالاتر ہیں، ان کے بارے میں ہمیں صحیح
تاویل وتصریح کرنی چاہیے۔ایک کی محبت کے بہانے دوسروں کو برا کہنا قطعا ناجائز وناروا ہے۔ ماں
باپ میں اگر لڑائی ہو جائے تو اولاد کو چاہیے کہ اسے سلجھاے اور دونوں کو نرمی اور احترام کے ساتھ

سمجھائے نہ کہ ماں کی طرف سے باپ کو مارے یا باپ کی طرف سے ماں کو گالیاں دے۔ٹھیک یہی
مثال ہے صحابۂ کرام کے آپسی نزاع کی۔ہمیں ان کے مشاجرات کے بارے میں گفت وشنید سے
احتراز کرنا چاہئے۔

فضیلت ابوبکر وعمر: اہلسنت کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ نبیوں کے بعد تمام مخلوق میں افضل
حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
ہیں۔ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان اور ان کے بعد مولائے کائنات، شیر خدا علی مشکل کشا ہیں پھر
باقی عشرۂ مبشرہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن
عوف وسعید بن زید رضی اللہ عنہم، ان کے بارے میں حضور نے نام بنام جنتی ہونیکی بشارت دی ہے۔
ان کے علاوہ حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین کو حضور نے جنتی جوانوں کا سردار فرمایا
ہے (سبع سنابل ص۵۵-۵۶)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے مذہب اہلسنت و جماعت کے متعلق پوچھا تو
آپ نے فرمایا وَتُفَضِّلُ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبُّ الْخَتَنَيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلىٰ الْخُفَّيْنِ یعنی
مذہب اہلسنت یہ ہے کہ تم حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کو فضیلت دو اور حضرت عثمان ذی
النورین اور مولائے کائنات علیٰ مرتضیٰ سے محبت کرو اور خفین پر مسح کو جائز جانو۔اس زمانے میں اسلام
کے دعویداروں میں ایک گروہ ایسا تھا جو خف پر مسح کو ناجائز سمجھتا تھا، لہٰذا اس زمانے میں خف پر مسح
کرنا اہلسنت کی علامت تھا اسی لیے امام نے یہ ارشاد فرمایا جو مذکور ہوا۔

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:۔

تحسین ابوبکر پیر مُرید — عمر پنجہ برپیچ دیو مَرید
خردمند عثمان، شب زندہ دار — چہارم علی شاہ دلدل سوار

یعنی اول مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق کا ہے جو بزرگ ہیں اور رسول خدا ﷺ کے سچے
فرمانبردار اور عمر فاروق سرکش دیووں کے جالوں کے لیے پنجہ ہیں اور عثمان غنی راتوں کو جاگنے والے

اور حضرت علی بادشاہ دُلدُل سوار ہیں۔ مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الاحکام میں لکھا ہے کہ کوئی ولی کسی پیغمبر کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اور ان کے بعد فاروق اعظم پھر عثمان ذی النورین پھر علی مرتضیٰ ہیں۔ جو شخص امیر المومنین حضرت علی کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجی ہے اور جو انہیں حضرت ابوبکر وعمر سے افضل جانے وہ رافضی ہے (سبع سنابل ص۶۱)

ایک شخص نے جناب معافی بن عمرو سے کہا کہ جناب عمر بن عبدالعزیز اور امیر معاویہ کا کیا موازنہ (جناب عمر بن عبدالعزیز کو ان کے عدل وانصاف کی وجہ سے فضلیت حاصل ہے) یہ سنکر جناب معافی کو غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا صحابہ کرام کا موازنہ بعد میں آنے والوں سے نہ کرو امیر معاویہ کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ دوسروں کو نہیں ہے۔ جناب امیر حضور ﷺ کے صحابی، اُمُّ المومنین کے بھائی، حضور علیہ السلام کے کاتب اور وحی الٰہی کے امین تھے۔

صحابہ سے محبت نہ کرنے والا: سہل بن عبداللہ تستری نے کہا کہ جو صحابہ سے محبت نہیں کرتا اور حضور کے احکام کی تعظیم نہیں کرتا وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے، اسلام کی خاطر قربانیاں دینے والے، محبت رسول میں سر کٹانے والے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر اعتماد کلی رکھیں، انہیں دل سے مانیں، ان کا احترام کریں اور ان کے اتباع کو لازم جانیں۔ جو لوگ صحابہ یا اہل بیت کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اُن سے دور رہیں اور اُن کو اپنے سے دور رکھیں۔

ماں باپ کی فرماں برداری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماں اور باپ کے مرتبے کو بلند فرمایا ہے اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کا ہمیں حکم دیا ہے۔ ماں باپ کا رشتہ اور تعلق دنیا کے تمام رشتوں سے افضل اور بڑا ہے، آدمی کی پیدائش میں اللہ کے بعد ماں باپ ہی کا حق ہے، اصل خالق اور رب اللہ عزوجل ہے، مگر دنیا میں وجود بخشنے کے لئے اللہ نے ماں باپ کا وسیلہ بنایا کہ جتنے لوگ پیدا ہوں گے ماں باپ ہی کے ذریعہ پیدا ہونگے سوائے حضرت آدم وحوا اور عیسیٰ بن مریم کے، حضرت آدم کو اللہ نے بن ماں باپ کے مٹی سے بنایا اور حوّا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کو بن باپ کے صرف ماں سے پیدا فرمایا۔

حضرت آدم وحوّا کو اللہ نے بغیر ماں باپ کے پیدا فرما کر یہ واضح فرمایا کہ اس کے دست قدرت میں سب کچھ ہے وہ چاہے تو عادت کے برخلاف مخلوق کو پیدا فرمائے، تاکہ یہ خیال لوگوں کے دل ودماغ سے دور ہو جائے کہ انسان کی پیدائش ماں باپ کے سبب سے ہے بلکہ ماں باپ ظاہری وسیلہ ہیں اصل خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے کہ اگر ماں باپ ہی پر انسان کا وجود منحصر ہوتا تو حضرت آدم وحوا اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش نہیں ہوتی کیونکہ حضرت آدم وحوّا کا کوئی ماں باپ نہیں اور حضرت عیسیٰ کی ماں ہیں لیکن باپ نہیں۔

اسی طرح ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی بہتوں کو اولاد نہیں ہوتی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اصل ماں باپ نہیں بلکہ اللہ کا حکم اور فیصلہ ہے وہ جب چاہتا ہے وجود بخشتا ہے دنیاوی زندگی میں ہر جاندار کو ماں باپ کا محتاج بنایا گیا ہے، کوئی جاندار بغیر ماں باپ کے نہ دنیا میں آتا ہے اور نہ پرورش پاتا ہے۔

جانداروں کا سب سے اعلیٰ اور افضل طبقہ جس کا نام انسان اور بنی آدم ہے، جس کے سر پر اللہ نے اپنی خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جسے مخلوقات میں افضل اور بہتر بنایا ہے، پروردگار عالم نے اسے اپنی بندگی اور اطاعت کے لئے منتخب فرمایا اور اپنی اطاعت کیساتھ ماں باپ کی فرماں برداری کا حکم فرمایا، نیز ماں باپ کے حقوق ومراتب اور درجات کو اولادوں پر واضح فرمایا تا کہ اولادیں ماں باپ کا احترام کریں، اطاعت کریں اور ان کی خوشنودی حاصل کریں۔

اللہ نے تخلیق میں ماں باپ کو اپنا نائب بنایا ہے، انہیں کے ذریعہ انسان دنیا میں آتا ہے لہٰذا ان کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہر اولاد کا فرض ہے۔ ماں باپ کی رضا میں اللہ کی رضا وخوشنودی ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ اللہ کے نبی جناب آقا ومولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کے مطابق آدمی کی جنت ودوزخ دنیا ہی میں ہے، یعنی جس کے ماں باپ راضی ہونگے اس کے لئے جنت کی بشارت ہے اور جنکے والدین ناراض ہونگے اس کے لئے دنیا ہی میں دوزخ کی خوشخبری ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: اللہ جلّ شانہ نے والدین کے درجے کو اتنا بلند فرمایا کہ اُن کی فرماں برداری اور ان کیساتھ بہتر سلوک کا حکم قرآن میں فرمایا اور ایک بار نہیں بلکہ متعدد مرتبہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَوَصَّيۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيۡهِ حُسۡنٗاۖ وَإِن جَٰهَدَاكَ لِتُشۡرِكَ بِي مَا لَيۡسَ لَكَ
بِهِۦ عِلۡمٞ فَلَا تُطِعۡهُمَآۚ إِلَيَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ۝٨

اور ہم نے آدمی کو اپنے ماں باپ کیساتھ بھلائی کرنیکی تاکید کی اور اگر وہ کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان، میری ہی طرف پھرنا ہے، تو میں بتادوں گا تمہیں جو تم کرتے تھے (العنکبوت ۲۹ آیت ۸)۔

کفر وشرک میں کسی کی اطاعت نہیں: یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل

ہوئی، حضرت سعد سابقون الاولون میں سے ہیں، وہ حضرات جو پہلے ایمان لے آئے ان میں سعد بن ابی وقاص بھی ہیں، آپ کے اسلام قبول کرنے کی خبر جب آپ کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بن اُمیہ بن عبد شمس کو ہوئی تو اس نے سعد سے دریافت کیا کہ تم نے کون سا دین قبول کر لیا ہے، اور ہر ممکن کوشش کی کہ سعد اسلام سے پھر جائیں اور کفر میں داخل ہو جائیں لیکن جب سعد اسلام سے برگشتہ نہیں ہوئے تو اس نے ایک دن کھانا، پینا چھوڑ دیا اور دھوپ میں رہی جس کے سبب سے ضعف طاری ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر تم اسلام سے نہیں لوٹے تو میں اسی طرح اپنی جان دیدوں گی اور زمانہ تجھے ماں کا قاتل کہے گا، لیکن حضرت سعد اسلام پر ڈٹے رہے اور کفر وشرک سے دور رہے، حضرت سعد نے ماں کی جب یہ حالت دیکھی تو آپ نے فرمایا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے نکل جائیں تب بھی میں اپنے سچے دین اور اپنے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ناطہ نہیں توڑوں گا، جب سعد کی ماں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ کفر کی طرف نہیں پلٹے گا تو اپنی ضد سے باز آئی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کے خلاف نہ ماں باپ کی اطاعت کی جائے گی اور نہ کسی اور کی، ہاں ماں باپ کے ساتھ دنیاوی امور میں نرمی برتی جائے گی اور ماں باپ کی ہدایت کے لئے دعا کی جائے گی۔

گذشتہ آیت میں اللہ نے اسی واقعہ کو بیان فرمایا، اس آیت میں دو باتیں قابل ذکر ہیں ایک تو یہ کہ ماں باپ اگر کافر ہوں جب بھی ان کیساتھ حسن سلوک کیا جائے گا اور نرمی برتی جائے گی لیکن اگر وہ کفر وشرک کی دعوت دیتے ہیں تو اس کی تردید کی جائے گی جیسا کہ حضرت سعد نے اپنی ماں کو جواب دیا اور اسلام پر سختی سے قائم رہے۔ (خزائن العرفان۔)

ایمان واسلام کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں خواہ پیر ہو، استاد ہو، نیتا ہو حتی کہ ماں باپ ہوں، جائز امور میں اطاعت اور فرماں برداری کی جائے گی، مخلوق پر سب سے بڑا اور پہلا حق اللہ کا ہے اور پھر اس کے آخری رسول جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا توحید ورسالت دین کی بنیاد اور اساس ہیں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بہت ہیں لیکن سب سے پہلا حق اور سب سے بڑا حق اللہ کا ہے

وہ یہ کہ بندہ اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور آخری رسول ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

دوسری جگہ قرآن میں ماں باپ کیساتھ بہتر سلوک کا حکم اللہ نے اس طرح دیا، اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اسے پیٹ میں رکھا، اور اُس کے دودھ چھٹانے کی مدت دو سال ہے، تو میرا اور اپنے والدین کا حق مانو، آخر میری ہی طرف پلٹنا ہے (لقمٰن ۳۱، آیت ۱۴)۔

اس آیت میں اللہ نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمانے کیساتھ یہ بھی بتایا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کوئی امر مندوب نہیں بلکہ ماں باپ کا بہت بڑا تم پر احسان ہے اس لیے ان کا احسان مانو اور شکر ادا کرو، اللہ نے اس حالت کا تذکرہ فرمایا جبکہ بچہ پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت ماں کو کس قدر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر اسی پر بس نہیں پیدائش کے بعد دو سال تک ماں دودھ پلاتی ہے، ان ایام کی دشواریوں اور مشقتوں کا صحیح حال تو عورتیں ہی جان سکتی ہیں۔

ایک بچے کی پیدائش اور پرورش میں ماں کو کن حالات سے گذرنا پڑتا ہے یہ ماں ہی بتا سکتی ہے، تمام تکالیف کے باوجود ماں کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوتی، اولاد کے چہرے کی ایک جھلک اور بچے کی مسکراہٹ پر ماں اپنا سارا آرام اور تمام آسائش قربان کر دیتی ہے۔

اس لیے اللہ نے اپنے حق کیساتھ والدین کے حق کا تذکرہ فرما کر ماں باپ کے حقوق کو سب پر مقدم اور افضل قرار دیا۔

شکر بجالانے کی تفسیر حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر بجالانا یہ ہے کہ پنجگانہ

نماز ادا کرے اور ماں باپ کا شکر یہ ہے کہ نمازوں کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرے (خزائن العرفان)۔

ایک جگہ اور اللہ نے ماں باپ کے بارے میں حکم فرمایا اور ان کے حقوق کو گنایا۔ ارشادِ خداوندی ہے:-

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾

اور ہم نے آدمی کو حکم دیا کہ وہ ماں باپ کیساتھ بھلائی کرے، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور اس کو جنی تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے، یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا، عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے، اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے، اور میرے لیے اور میری اولاد میں اصلاح رکھ، میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں (الاحقاف ۴۶، آیت ۱۵)۔

یہاں بھی اللہ نے ماں باپ کیساتھ بہتر سلوک کا حکم فرمایا اور ایک بچے کی پرورش و پرداخت میں ماں باپ کو کن دشواریوں سے گذرنا پڑتا ہے اس کا تذکرہ کر کے والدین کیساتھ حُسن سلوک کی اہمیت کو اجاگر فرما دیا، کہ اگر کوئی اولاد اپنے ماں باپ کیساتھ بہتر سلوک کرتی ہے تو ماں باپ پر اس کا احسان نہیں ہے بلکہ ماں نے جو مشقتیں اٹھائی ہیں اس کا بدلہ کوئی اولاد ادا ہی نہیں کر سکتی۔

ماں باپ کو اف بھی نہ کہو: انسان کے اوپر تین حالتیں گزرتی ہیں، بچپن، شباب اور بڑھاپا۔

انسان کا بچپن سب سے بہتر ہوتا ہے، بچے نہ از روئے شرع مکلّف ہوتے ہیں اور نہ معاشرتی پابندیوں کے متحمل ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی پابندی سے وہ آزاد ہوتے ہیں اور سب کے محبوب اور پیارے ہوتے ہیں، ان کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے، ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، ہر کوئی انہیں لاڈ پیار کرتا ہے، آدمی کی زندگی کی دوسری حالت کا نام

شباب یعنی جوانی ہے، انسان جب جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتا ہے تو اسے پابندیوں اور ذمہ داریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جوانی خوش گوار بھی ہوتی ہے اور دشوار گذار بھی۔ اس مقام پہ پہنچ کر ہر آدمی کو اپنے بہتر مستقبل کی فکر کرنی پڑتی ہے، اور آنے والی زندگی کا لائحہ عمل تیار کرنا پڑتا ہے۔

آخری حالت بڑھاپا ہے، یہ بڑی کٹھن اور مشکل بھرا ہوتا ہے، آدمی کی شروعاتی اور آخری حالت تقریباً یکساں ہوتی ہے، ایک بچہ جس طرح ہر ہر قدم پہ ماں باپ کی شفقتوں کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بڑھاپے میں والدین اپنے بچوں کے حسن سلوک کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہی ماں باپ جنہوں نے اپنی اولاد کی خوشیوں کے لیے ہر دکھ درد کو ہنستے ہوئے برداشت کیا تھا اپنی گاڑھی کمائی کا ایک ایک پیسہ اپنے بچوں کے روشن مستقبل کیلئے قربان کر دیا تھا، وہی بچے ماں باپ کے بڑھاپے اور عمر کے آخری حصے میں ان کے لڑکھڑاتے قدموں اور لرزتے ہاتھوں کو نہیں تھامتے، وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بننے کی بجائے انہیں جھڑک دیتے ہیں، اُن کی ضرورتوں کو ٹال دیتے ہیں، ایسی اولادوں کو قرآن نے ماں باپ کیساتھ بہتر سلوک کا حکم بھی دیا اور جھڑکنے سے منع کیا۔

۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾
وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کیساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا، اور اُن کے لیے عاجزی کا بازو بچھا، نرم دلی سے اور عرض کر کے اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا (بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۲۳/۲۴)۔

اس آیت میں اللہ نے بندوں کو اپنی عبادت اور بندگی کا حکم دیا، اور اپنی بندگی کے بعد ماں باپ کیساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کو ماں باپ کیساتھ حسن سلوک کرنے والے پسند ہیں، جب ہی اللہ نے اپنی عبادت کیساتھ ماں باپ کیساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

والدین کیساتھ ہمیشہ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس جگہ خاص کر بوڑھے والدین کی خدمت وفرماں برداری کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ جب والدین بوڑھے ہو جائیں، اس عمر میں قطعاً قطعاً نافرمانی تو دور ان کے حکموں پر اونہہ، ہوں اور اف جیسے کلمات بھی نہ کہو، کیونکہ اس سے ان کے دل کو ٹھیس پہنچے گی، بلکہ اس عمر میں نرم دلی اور رحم وکرم کے ساتھ پیش آؤ، جس طرح انھوں نے بچپن میں تمہاری ناز برداری کی ہے اسی طرح تم ان کی ناز برداری کرو، ان کا حکم مانو، اُن کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پوری کرو، ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہ جاؤ، ایسا کوئی کام نہ کرو جس سے اُن کو تکلیف پہنچے اور انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہو، بلکہ تم اپنے طرز عمل سے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہ جب یہودیوں نے طعن تشنیع کیا تھا اور کہا تھا کہ جب تمہاری شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ (عیسیٰ علیہ السلام) کہاں سے لائی، اللہ کے حکم سے حضرت مریم نے معترضین سے فرمایا کہ اسی بچے سے پوچھو کہ اس کا معاملہ کیا ہے، یہود نے حضرت مریم کے اس جواب کو تمسخر اور مذاق سمجھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی گہوارۂ مادر میں تھے کلام فرمانے لگے، آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں، صاحب کتاب ہوں، مجھے حکم دیا گیا ہے پوری زندگی نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا اور ماں کیساتھ حسن سلوک کا۔ قرآن میں فرمایا گیا:-

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾

اور مجھے اللہ نے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور ماں کیساتھ احسان کرنیکا (ا۔مریم ۱۹ آیت ۳۲/۳۱)۔

یہاں صرف ماں کیساتھ حسن سلوک کا حکم اس لیے دیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں، وہ بغیر باپ کے صرف ماں سے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ یہاں یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ بندے ہیں، معاذ اللہ اگر اللہ اُن کا باپ ہوتا تو ضرور فرمایا جاتا کہ ماں اور باپ دونوں کیساتھ بہتر سلوک کرو۔

رضاعی ماں کیساتھ حضور کا سلوک: حضرت حلیمہ بنت ابی ذوئب سعدیہ ہوازنیہ نے حضور کو دودھ پلایا تھا، جنگ حُنین کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں تو حضور نے ان کا احترام فرمایا، کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر بچھا دی جس پر وہ بیٹھیں (تذکرۃ الانبیاء ص ۵۲۰ از عبدالرزاق بھترالوی)۔

حُنین: مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے، حُنین میں دو مشہور قبیلے ''ہوازن'' اور ثقیف آباد تھے، اس مقام پر فتح مکہ کے بعد جنگ ہوئی تھی، اس جنگ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے، مسلمانوں کی فوج کی تعداد ۱۲ ر ہزار تھی، ابتداءً مسلمان مغلوب ہوئے، مسلمانوں کی جماعت منتشر ہوگئی، اکیلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، پھر حضور نے انصار ومہاجرین کو آوازیں دیں۔ مسلمان پورے جوش وخروش سے حملہ آور ہوئے اور اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح وکامرانی نصیب ہوئی (سیرۃ المصطفیٰ ص ۳۴۱ از علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی)۔

ثُوَیبَہ: ابولہب کی باندی تھیں، انہوں نے بھی حضور کو ایام رضاعت میں دودھ پلایا تھا۔ حضور مدینہ منورہ سے ثُوَیبَہ کے لیے کپڑے بھیجا کرتے تھے۔

اُمِّ ایمن: اُمِّ ایمن نے حضور کی پرورش کی تھی، حضور فرماتے کہ میری ماں کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں (تذکرۃ الانبیاء ص ۵۲۱)۔

شیماء بنت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہما: شیماء یہ حضور کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی تھیں، حُنین کے بعد جنگ اوطاس ہوئی تھی، اس جنگ میں شیماء مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں تو انھوں نے کہا کہ اے لوگو میں تمہارے نبی کی بہن ہوں، انہیں حضور کی خدمت میں لایا گیا، حضور نے انہیں پہچان لیا جوش محبت میں آپ کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو بٹھایا، کچھ اونٹ کچھ بکریاں دیکر فرمایا کہ تم آزاد ہو، چاہو تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر خواہش ہو تو اپنے گھر چلی جاؤ۔ انہوں نے اپنے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی، تو نہایت ہی عزت واحترام کیساتھ انھیں ان کے قبیلے میں پہنچا دیا گیا (سیرت المصطفیٰ ص ۳۴۶/۳۴۵)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رضاعی (دودھ پلانے والی) ماؤں اور رضاعی بہنوں کیساتھ کیسا سلوک فرمایا، سیرت مبارکہ کا یہ پہلو ان تمام لوگوں کے لیے درس ہے جو اپنی حقیقی ماں کا احترام نہیں کرتے اور انکے حقوق نہیں بجالاتے۔

ہمارے آقا علیہ التحیہ والتسلیم نے ماں باپ کے ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر کا حکم بھی فرمایا ہے اور عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔

جنت میں حضرت موسیٰ کا رفیق: امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام نے علامہ ابن الجوزی کی کتاب المنتظم فی تواریخ الامم کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعاء کی کہ اے اللہ جنت میں میرا دوست کون ہے، اُسے دنیا ہی میں مجھے ملا دے، اللہ نے فرمایا کہ فلاں شہر میں جاؤ، فلاں قصاب ہے وہی جنت میں تیرا ساتھی ہے، حضرت موسیٰ اس سے ملنے گئے تا کہ دیکھیں کہ اس کا کون سا عمل اتنا اچھا ہے جس کے سبب اللہ نے اسے یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے تو کیا دیکھتے

ہیں کہ وہ اپنے بوڑھے والدین کی خوب خدمت کرتا۔ جب تک انہیں کھلا نہ دیتا نہیں کھاتا، انہیں سیراب نہیں کر دیتا پانی نہ پیتا، انہیں تنہا نہیں چھوڑتا، ہمیشہ انھیں اپنے ساتھ رکھتا، ان کی خدمت و ناز برداری کرتا، وہ شخص جب اپنے ماں باپ کو کھلا لیتا اور وہ شکم سیر ہو جاتے تو دعاء کرتے الٰہی! ہمارے اس بیٹے کو جنت میں موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نصیب فرما اور ہماری اس وقت تک جان نہ نکلے جب تک تیرے کلیم کی ہم زیارت نہ کریں، اللہ نے ان کی دعاء قبول کر لی۔ وہ دونوں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قصاب کو بتایا کہ اللہ نے تیرے والدین کی دعاء قبول فرمالی ہے (زینت المحافل ترجمہ نزہۃ المجالس ص ۶۳۶/۶۳۷)۔

ماں باپ میں کس کا حق بڑا ہے: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا: شوہر کا، میں نے عرض کیا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا: اس کی ماں کا (مشعلۃ الارشاد الی حقوق الاولاد از اعلیٰ حضرت)۔

دوسری حدیث حضرت ابوھریرہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ایک شخص خدمت اقدس حضور پُر نور صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ میں حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ! سب سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہیکہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں، حضور نے فرمایا، تیری ماں، عرض کی پھر، فرمایا، تیری ماں، عرض کی پھر، فرمایا، تیری ماں، عرض کی پھر فرمایا، تیرا باپ (مشعلۃ الارشادِ الی حقوق الاولاد)۔

تیسری حدیث میں حضور نے فرمایا، میں آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں باپ کے حق میں (حوالہ سابق)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدمت ماں کی زیادہ کرے اور احترام و تعظیم باپ کی زیادہ کرے، اگر ماں باپ میں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں کسی کی دل آزاری نہ کرے۔

والدین کی نافرمانی کا وبال: حضور نے ارشاد فرمایا: اللہ کی اطاعت والد کی اطاعت میں ہے، اور

اللہ کی معصیت والد کی معصیت میں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

تیسری حدیث میں ہے، ماں باپ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں (حوالہ سابق)۔

یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرے تو اسے چاہیے کہ ماں باپ کو خوش رکھے، ان کی رضامندی ہی میں اللہ کی رضا ہے اور اللہ کی رضا کے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔

ماں باپ پر اولاد کے حقوق:

(۱) جب بچہ پیدا ہو، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہے کہ بچہ خلل شیطان اور ام الصبیان سے محفوظ رہے۔

(۲) چھوہارا یا کوئی میٹھی چیز چبا کر بچے کے منہ میں ڈالے کہ بچہ نیک اخلاق والا ہو۔

(۳) ساتویں اور نہ ہو سکے تو چودہویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے، بچہ کے لئے دو بکرا اور بچی کے لئے ایک بکری اگر اس کے برعکس ہو تو بھی عقیقہ ہو جائیگا۔

(۴) سر کے بال اتروا کر چاندی سے وزن کر کے چاندی صدقہ کرے۔

(۵) اچھا نام رکھے مثلاً عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالقادر، محمد احمد، غلام نبی وغیرہ۔

(۶) بچہ کا نفقہ یعنی دودھ کا انتظام اور اچھی دیکھ ریکھ کرے۔

(۷) حلال اور پاکیزہ روزی کھلائے۔

(۸) جب بولنے کے قابل ہو تو کلمہ طیبہ سکھائے، درود شریف اور دین کی باتیں بتائے۔

(۹) اچھی تعلیم کا اہتمام کرے اولاً عقیدہ اور فرائض دین کی تعلیم دے۔

(۱۰) جب سات سال کے ہو جائیں تو نماز کی عادت ڈلوائے اور جب دس سال کے ہو جائیں تو سختی کے ساتھ نماز پڑھوائیں۔

(۱۱) صحیح العقیدہ،متصلب،پابندشرع مرشدطریقت کے حلقۂ ارادت میں داخل کرائے۔

(۱۲) گانے،بجانے اور بے پردگی وبے حیائی سے بچانے کی ہرممکن تدبیر کرے۔

(۱۳) وقت پرصحیح العقیدہ سنیہ لڑکی سے نکاح کرائے کہ نکاح کا ایک وقت ہوتا ہے اگر وقت پر یہ کام ہوجاتا ہے تو آدمی کے اندر ذمہ داری بھی آجاتی ہے اور آوارگی واوباشی سے بھی بچ جاتا ہے۔

اسلام میں حلال روزی کی اہمیت

اسلام میں رزق حلال کی بڑی اہمیت ہے،اس لئے کہ آدمی جس طرح کی غذا استعمال کرتا ہے،اُسی طرح کے اثرات اُس کے اوپر مرتب ہوتے ہیں،غذا کا ظاہری اثر تو یہ ہے کہ اگر انسان مقوی اور اچھی چیزیں استعمال کرتا ہے تو آدمی کے جسم پر اُس کے اچھے اثرات ظاہر ہوتے ہیں،مثلاً دودھ، سیب،سنترے وغیرہ کے استعمال سے بدن میں قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کا رنگ بھی نکھرتا ہے، چہرے پر تازگی رہتی ہے۔اس کے برخلاف غیرمقوی اشیاء کے اندر اس طرح کی تاثیر نہیں ہوتی،جس طرح غذا کا اثر جسم اور بدن پر ظاہر ہوتا ہے اُسی طرح روح،نفس اوراخلاق وعادات پر بھی مرتب ہوتا ہے،حلال اور پاک کھانا سے جوخون بنتا ہے وہ پاک ہوتا ہے،اسمیں اطاعت،فرماں برداری،محبت اور خوف خدا ہوتا ہے،اور حرام اور ناپاک غذا سے جوخون بنتا ہے وہ انسان کو سرکشی،بے حیائی،آوارگی،اور بُرائی کے لئے اُبھارتا ہے،اسی لئے قرآن وسنت اور اقوال سلف میں جابجا رزق حلال کی تاکید کی گئی ہے،دنیا کے ہرمہذب طبقے میں سؤر،کتا،ہاتھی اور شیر کا گوشت کھانا یا خون پینا نامناسب خیال کیا جاتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان جانوروں کے اندر بے حیائی یا درندگیکی خصلت پائی جاتی ہے،ان کا گوشت کھانے سے کھانے والوں کے اندر یہ صفتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

حلال روزی کھاؤ

قرآن حکیم جواللہ تبارک وتعالیٰ کی آخری کتاب ہے،انسانی زندگی کے لئے نمونۂ عمل اور نجات کا مکمل دستور ہے،اللہ رب العزت اپنے بندوں کواکل حلال کاحکم فرمارہا ہے:-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا

اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال، پاکیزہ ہے(البقرۃ۲آیت ۱۶۸)۔

یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے بحار وغیرہ کوحرام قرار دیا تھا،اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کوحرام قرار دینا اُس کی رزاقیت سے بغاوت ہے،مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ جو مال اپنے بندوں کوعطا فرماتا ہے، وہ حلال ہے، اور اسی میں ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو باطل سے بےتعلق پیدا کیا۔ پھران کے پاس شیطان آئے اورانہوں نے دین سے بہکایا اور جو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا، اس کوحرام ٹھہرایا، ایک اورحدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا میں نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اورعرض کیا یارسول اللہ! دعاءفرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات کردے، حضور نے فرمایا،اے سعد اپنی خوراک پاک کرو،مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے،اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک قبولیت سے محرومی رہتی ہے(خزائن العرفان بحوالہ ابن کثیر)۔

سود اور بیع الگ الگ ہیں

دوسری جگہ سودخواروں کی مذمت میں قرآن میں فرمایا گیا:-

ٱلَّذِينَ يَأۡكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِي يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيۡطَٰنُ مِنَ ٱلۡمَسِّۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ قَالُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡبَيۡعُ مِثۡلُ ٱلرِّبَوٰاْۗ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوۡعِظَةٞ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمۡرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۖ وَمَنۡ عَادَ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾

وہ جوسود کھاتے ہیں، قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسا کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھوکرمخبوط بنادیا ہو، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع بھی توسود ہی کی مانند ہے

اوراللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے، اور جواب ایسی حرکت کریگا وہ دوزخی ہے، وہ اس میں مدتوں رہیں گے(بقرۃ۲آیت ۲۷۵)۔

اسی میں آگے فرمایا جارہا ہے:-

يَمۡحَقُ ٱللَّهُ ٱلرِّبَوٰاْ وَيُرۡبِي ٱلصَّدَقَٰتِۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾

اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکر بڑا گنہگار(بقرۃ۲آیت ۲۷۶)۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو(بقرۃ۲آیت ۲۷۸)۔

تنبیہ کی جارہی ہے کہ سود اگر باقی ہے تو حکم آجانے کے بعد اب نہ لو یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

اسی میں آگے ہے۔

فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ فَأۡذَنُواْ بِحَرۡبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ وَإِن تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوسُ أَمۡوَٰلِكُمۡ لَا تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اوراس کے رسول سے لڑائی کا، اوراگرتم توبہ کروتو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو، اور اگر قرض دار تنگی والا ہے تو اُسے مہلت دو آسانی تک، اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لیے اور بھلا ہے اگر جانو(البقرۃ۲آیت ۲۷۹،۲۸۰)۔

آگے سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:-

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَـٰفًا مُّضَـٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۱۳۰)

اے ایمان والو سود دو نا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے (آل عمران۳ آیت۱۳۰)۔

سورۃ النساء میں ہے:-

ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَـٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (۳۷)

جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو اپنے فضل سے اُنہیں دیا ہے، اُسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (النساء۴ آیت ۳۷)۔

اسی میں آگے فرمایا جا رہا ہے:-

وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَقَدْ نُهُوا۟ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَـٰطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَـٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (۱۶۱)

اور اس لیے کہ وہ سود لیتے ہیں حالانکہ وہ اس سے منع کئے گئے تھے، اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے، اور اُن میں جو کافر ہوئے، ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (النساء۴ آیت۱۶۱)۔

زیادہ کی لالچ میں ہدیہ دینا

جو لوگ اس لیے کچھ ہدیہ کرتے ہیں تا کہ وہ انہیں بڑھا کر واپس کرے، اس سے متعلق قرآن فرما رہا ہے کہ جو کچھ دو اللہ کی رضا کے لئے دو، زیادہ پانے کی نیت سے نہ دو ورنہ برکت آسمانی سے محروم رہو گے۔

وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرْبُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَآ ءَاتَيْتُم مِّن زَكَوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُضْعِفُونَ (۳۹)

اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو کہ دینے والے کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی، اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے، ہیں (روم ۳۰، آیت ۳۹)۔

لوگوں کا دستور تھا کہ وہ دوست واحباب کو اس نیت سے ہدیہ دیتے تھے کہ وہ اُنہیں اس سے زیادہ دیں گے، یہ جائز تو ہے، لیکن اس پر ثواب نہیں ملے گا، اور اس میں برکت بھی نہ ہوگی، کیونکہ یہ عمل خالص اللہ کے لئے نہ ہوا۔ خیرات کرو بدلہ لینے کے لئے نہیں اور نہ ہی نام نمود کے لئے اُن کا اجر زیادہ ہوگا، ایک نیکی کے بدلے دس گُنا دیا جائے گا (خزائن العرفان)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب وہ چیزیں جو حلال اور جائز ہیں لیکن نیت میں خلوص نہیں ہے تو بندہ ثواب کا حقدار نہیں۔ تو بھلا جو لوگ حرام طریقے سے مال حاصل کرتے ہیں وہ کیسے مفید ہوگا، حرام کے مال میں اللہ کی برکت نہیں ہوتی۔

سود حرام فرمانے کی حکمت

اللہ رب العزت نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۷۵ میں سود کی حرمت اور سود خواروں کی شامت کو بیان کیا ہے۔ سود کو حرام فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہیں، بعض اُن میں سے یہ ہیں کہ سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل وعوض کے لینا ہے، یہ صریح نا انصافی ہے، دوم سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے، کہ سود خوار کو بے محنت مال کا حاصل ہونا تجارت کی مشقتوں اور خطروں سے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے، اور تجارتوں کی کمی انسانی معاشرت کو نقصان پہنچاتی ہے، سوم باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرض حسن سے امداد کرنا گوارا نہیں کرتا، چہارم سود سے انسان کی طبیعت میں درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہوتی ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوار اور اُس کے کار پر

داز اور سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا سب گناہ میں برابر ہیں۔

سود کھانے والا آسیب زدہ کی طرح ہے

سود کھانے والوں اور اس عمل کو جائز سمجھنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن اُن کی حالت آسیب زدہ کی طرح ہوگی کہ وہ سیدھا کھڑا نہیں ہو پائیں گے، گرتے پڑتے چلیں گے، سود کے سبب اُن کے پیٹ بڑے ہوں گے اور بوجھل ہوں گے جس کے سبب وہ چل نہیں پائیں گے۔ سعید بن جُبیر نے فرمایا یہ حالت اس کی ہوگی جو سود کو حلال جانے، سود کو اللہ نے حرام فرمایا اور بیع کو حلال، یہ اللہ کا حکم اور اس کا فیصلہ ہے، بندے کو اعتراض کا کوئی حق نہیں، وہ جس چیز کا چاہے حکم دے اور جس چیز کو چاہے حرام وممنوع قرار دے بندے پر اس کی اطاعت لازم ہے (خزائن العرفان)۔

سود میں بھی نفع ہوتا ہے اور تجارت میں بھی لیکن سود میں ملنے والا نفع ناجائز وحرام ہے، اس لئے کہ سود میں جو فائدہ ہوتا ہے وہ بغیر کسی عوض اور بدلے کے، یہ شریعت میں منع ہے، شریعت میں منافع جائز ہے جبکہ نفع کسی چیز کے عوض میں ہو، مثلاً ایک کلو گندم دس روپے میں خرید کر پچاس روپے میں بیچا تو یہ جائز ہے، لیکن سو روپیہ کسی کو دیکر ایک سو دس روپے یا ایک سو ایک روپئے لینا جائز نہیں، اس لئے کہ ایک سو کا بدلہ ایک سو ہوا لیکن ایک روپیہ جو زیادہ لے رہا ہے وہ سود ہے، سود کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے جنھوں نے سود کھایا یا سود کا کام کیا اُن پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن حرام ہونے کے بعد اس فعل کو اختیار کرنا بڑا گناہ کا کام ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ان آیات مبارکہ میں سود کے نقصانات بھی بتائے، نیز اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ نرمی برتنے کا پیغام بھی دیا، مثلاً اگر کسی کو قرض دیا ہے اور وہ اس حال میں نہیں ہے کہ فوراً ادا کر سکے تو اسلامی فکر یہ ہے کہ مسلمان اُسے اس وقت تک مہلت دے جب تک کہ وہ اس لائق نہ ہو جائے کہ قرض ادا کر سکے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ اگر کوئی قرض لینے والا تنگی میں ہے تو تم معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو دیکھ رہا ہے کہ ہمارا بندہ ایک غریب مجبور بندے کیساتھ رحمدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو بیشک رب کریم اپنے کرم سے ایسے شخص کو بے

حساب اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اس کے مال میں برکت بھی دیگا۔

صوفیاء کے نزدیک لقمۂ حلال کی اہمیت

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی کے ملفوظات میں ہے، انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے فرمایا کہ اس راہ (طریقت وسلوک) میں بڑا اصول حضوری دل ہے اور حضوری دل حلال لقمہ کھائے بغیر، اہل دنیا سے پرہیز کئے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی۔ کیونکہ مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص حرام کا لقمہ کھائے اور اہل دنیا اور بادشاہوں کی مجلس سے دور نہ رہے اُس کے لئے گدڑی پہننا جائز نہیں (راحت القلوب مترجم ص ۱۸ مکتبہ جام نور دہلی)۔ یعنی صوفیا کے لئے لقمہ حلال ضروری ہے ورنہ تصوف اور تزکیۂ باطن کا دعویٰ بیکار ہے، لاکھ کوئی عبادت وریاضت کرے، صوفی بنے، عالم وعلامہ ہو جائے اگر حلال روزی نہیں کھاتا تو اُس کی عبادت میں نہ کوئی فائدہ نہ ذوق و آسودگی نہ لذتِ بندگی ہے۔

حلال کھانے والے کا نفس حرام شئی کی آرزو نہیں کرتا

اکل حلال کے تعلق سے حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبی بدایونی اپنے باونوے سلک میں فرماتے ہیں اَلْنَحْلَ مَعَ الْخَسَةِ مِمَّا اَکَلَ بِالْھَامِ الْحَقِّ صَارَ ما یَخْرُجُ مِنْ بَطْنِهٖ شِفَاءٌ وَ غِنَاءٌ وَّ آدَمُ عَلَیْهِ السَلَامُ مَعَ صَفُوَتِهٖ لَمَّا اَکَلَ بِغَیْرِ اِلْھَامِ الْحَقِّ صَارَ ما یَخْرُجُ مِنْ بَطْنِهٖ نَتْنَا وَعِنَاً۔ شہد کی مکھی باوجود حقیر ہونے کے جو کچھ بھی کھاتی ہے صرف الہام حق سے کھاتی ہے، اس کے بطن سے جو کچھ بھی نکلتا ہے لوگوں کے لئے وہ شفاء بن جاتا ہے اور غنا اور آدم علیہ السلام نے الہام حق سے سوا کھایا تو ان کے بطن سے جو کچھ بھی نکلا بدبودار اور حقیر ہو گیا (سلک السلوک سلک پنجاہ دوم)۔

اس سے واضح ہوا کہ پاک اور حلال لقمہ کھانے والا ہی پاکیزہ کردار کا حامل ہوتا ہے، کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا۔ اکل حلال کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ ایسا کھانا جس سے دنیا میں نہ تاوان لازم آئے اور نہ ہی آخرت میں لائق گرفت ہو، اور بعض نے کہا حلال وہ ہے جس میں کسی غیر کا

حق نہ ہواوراس کا حلال ہونا عقلاً ثابت ہو،لہٰذا اپنے نفس کو حلال کھانے پر روکے رکھواس لئے کہ جو ایسا کرتا ہے کبھی بھی اس کا نفس حرام شئے کی آرزو نہیں کرتا۔

دنیا داروں کو دیکھنے سے دل میلا ہوتا ہے

فوائد سعدیہ میں ہے حضرت سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ حضرت خواجہ داؤد طائی سے ملنے کے لئے آئے، پہلے تو خواجہ داؤد طائی نے ملنے سے انکار کر دیا اس سبب سے کہ دنیا داروں کو دیکھنے سے دل میلا ہو جاتا ہے۔ بالآخر خواجہ کی والدہ نے سفارش کی تو حضرت خواجہ نے رات میں آنے کی اجازت دی تا کہ شہرہ نہ ہو، رات کے اندھیرے میں خلیفہ آئے اور چلا جائے۔

رات میں جب دونوں آئے تو حضرت داؤد طائی نے چراغ بجھا دیا تا کہ چہرے پہ ان کی نظر نہ پڑے، پھر جب حضرت امام ابو یوسف نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، جب وجہ پوچھی کہ ہاتھ کیوں کھینچ لیا تو فرمایا کہ تیرا ہاتھ خلیفہ کے کھانے میں آلودہ ہوا ہے، اور خلیفہ کا طعام شبہات اور حرام سے خالی نہ ہوگا۔ خلیفہ نے امام داؤد کے سامنے ہزار اشرفی نذر کی لیکن آپ نے لینے سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ جب میں نے بڑے امام یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حلال کمائی کے چار سو درہم نہ قبول کئے تو تمہارا کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ امام داؤد کا خرچ کہاں سے چلتا ہے تو آپ کی والدہ نے فرمایا کہ باپ کی میراث سے چند درم ہے اُسی سے خرچ ہوتا ہے، جب میراث ختم ہوگئی تو اللہ نے حضرت خواجہ کو اس دنیا سے اُٹھا لیا (فوائد سعدیہ مصنفہ مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی ص ۹۷/۹۸)۔

حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہ نے فرمایا کہ حلال روزی کھاؤ، پھر تم پر یہ واجب نہیں کہ رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو (یعنی حلال روزی تمام عبادات کی اصل ہے) شبہ کا لقمہ پلید بیج ہے جس کی پیداوار سوائے ناپاکی کے کچھ نہیں، تجھے پاک دربار میں حاضر ہونا ہے، لہٰذا پاک وصاف ہدیہ لیکر چل۔

صدیق کے پیٹ میں سوائے پاکیزہ کھانے کے کچھ نہیں جاتا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی کمائی کا دودھ نوش کر لیا، پھر اس غلام سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے لائے، اس نے جواب دیا میں نے ایک گروہ کی کتابت کی اُنہوں نے یہ دودھ مجھے دیا، صدیق اکبر نے انگلی منہ میں ڈالی اور قئے کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں نہیں معلوم صدیق کے پیٹ میں سوائے پاکیزہ کھانے کے کچھ نہیں جاتا (سبع سنابل ص ۲۴۵)۔

سچی توبہ

تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے، حضرت حبیب عجمی جو حضرت خواجہ حسن بصری کے حلقہ بگوشوں اور ارادت کیشوں میں تھے، سود کا کاروبار کرتے تھے۔ اُسی سے کھانا پانی ہوتا تھا، روزانہ کا یہی معمول تھا ایک صبح ایک قرضدار کے یہاں سود کی رقم وصولنے گئے تو وہ شخص نہیں ملا، گھر میں اس کی بیوی تھی اس نے جواب دیا اے حبیب گھر میں تیرا قرضدار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مال ہے کہ میں دوں، ہاں، بکری کا سر ہے، کہو تو اسے دیدوں، حبیب عجمی نے وہ سر لے لیا اور بیوی کو لا کر دیا کہ اسے بناؤ، کھانا تیار ہو گیا اتنے میں ایک سائل آیا اور اس نے سوال کیا، لیکن حبیب عجمی نے کچھ نہ دیا بلکہ کہا کہ تجھے دینے کو گھر میں کچھ نہیں ہے، جب کھانا کھانے کے لئے بیوی نے سالن نکالنا چاہا تو کیا دیکھتی ہے کہ سالن خون ہو گیا ہے۔ شوہر کو بلایا اور کہا دیکھو تیری نحوست اور بدبختی کے سبب کیا ہوا! اس حادثہ نے حبیب کی کایا پلٹ دی، بیوی کو گواہ بنا کر توبہ کی اور کہا کہ آج سے ہر بُرے کام سے تائب ہوتا ہوں، گھر سے نکلے کہ جن لوگوں کا مال ناحق لیا ہے انہیں واپس کر دیں، راستہ میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، انہیں دیکھ کر بچوں نے کہا ہٹ جاؤ حبیب سود خور آ رہا ہے، کہیں اس کے قدموں کی خاک ہم پر نہ پڑ جائے اور ہم اس جیسے بدبخت نہ ہو جائیں، یہ سنکر آپ بہت رنجیدہ ہوئے، اور حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہو کر دوبارہ توبہ کی اور جب واپس ہونے لگے تو راستہ میں ایک مقروض دیکھ کر بھاگنے لگا تو آپ

نے فرمایا کہ اب نہ بھاگو! اب تو مجھ کوتم سے بھاگنا چاہئے تاکہ ایک گنہگار کا سایہ تم پر نہ پڑے، پھر جب انہیں لڑکوں سے گذرے تو اُنہیں لڑکوں نے کہنا شروع کیا کہ راستہ دیدو، اب حبیب تائب ہوکر آ رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیروں کی گرد اس پر پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ ہمارا نام گنہگاروں میں درج کردے۔

آپ نے بچوں کی بات سنکر عرض کی اے اللہ تیری قدرت بھی عجیب ہے۔ آج ہی میں نے توبہ کی اور آج ہی تو نے میری نیک نامی کا لوگوں میں اعلان کرادیا، اس کے بعد آپ نے منادی کرائی، جو شخص میرا مقروض ہے وہ اپنی تحریر اور مال واپس لے جائے، ساری دولت خدا کی راہ میں خرچ کردی اخیر میں اپنا کرتا بھی ایک سائل کو دیدیا اور دوسرے سائل کے سوال پر آپ نے اپنی بیوی کی چادر بھی دیدی (تذکرۃ الاولیاء ص ۳۳/۳۴)۔

اِسے کہتے ہیں خوفِ خدا۔ مسلمانوں، آپ نے دیکھا کہ سود کا مال کتنا گندہ ہے بلکہ وہ لوگوں کا خون ہے جسے سود خور اپنے جسم میں داخل کرتے ہیں۔

سود حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے

اس کا وبال اور عذاب اگر مسلمان جان لیں تو کبھی اس کے قریب نہ جائیں، آج کتنے ایسے لوگ ہیں جو سودی کاروبار اور لین دین کو بُرا نہیں جانتے۔ ایسے لوگوں کیبارے میں قرآن نے کہا کہ وہ قیامت کے دن آسیب زدہ کی طرح گرتے پڑتے چلیں گے۔

بہت سارے مسلمان لاعلمی میں اس لعنت کے شکار ہیں۔ آج کل جس طرح غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی بلا وجہ شرعی کے کاروبار بڑھانے کے نام پر، گاڑی خریدنے کے نام پر، پلاٹنگ وغیرہ کرنے کے نام پر بینکوں سے لون لیتے ہیں، پھر بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے ہیں، اس طرح کا کاروبار شریعت میں جائز نہیں (فتاویٰ برکاتیہ)۔

ہاں! اگر کوئی صورت نہ ہو روزی روٹی کے حصول کی۔ کہیں سے قرض بھی ملنے کی امید نہ ہو اور

کوئی ایسی جائداد بھی نہ ہو جس کے زریعہ آدمی اپنے رزق اور رہائش کا انتظام کر سکے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت بینک سے لون لینا جائز ہوگا مگر جلد از جلد ادا کرے۔ (فتاویٰ برکاتیہ)

واضح رہے کہ مسلمان ہندوستانی بینکوں میں جو روپیہ جمع کرتے ہیں، بینک کاروبار کرتے ہیں، تجارت میں پیسہ لگاتے ہیں، اس منافع میں سے کچھ فیصد جمع کرنے والوں کو بڑھا کر دیتے ہیں، وہ بڑھا ہوا پیسہ بینک سے لینا جائز ہے، وہ سود نہیں ہے، اس لئے کہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی، اس زائد پیسے کو جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں (فتاویٰ برکاتیہ)۔

اسلام ہر حال میں اپنے ماننے والوں کی جان، مال، آبرو کی تحفظ اور ترقی چاہتا ہے کوئی بھی ایسا لین دین جسمیں مسلمان کا نقصان ہو یا جھوٹ بولنا پڑے یا بدعہدی واقع ہو تو وہ جائز نہیں۔

تزکیۂ نفس کا قرآنی مفہوم

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جا بجا تزکیہ وتطہیر قلب کا ذکر فرمایا ہے، اسلام ظاہر کے ساتھ باطن کی صفائی اور ستھرائی کا مطالبہ کرتا ہے، دلوں کی پاکیزگی اور نفوس کا تزکیہ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، حدیث شریف میں آیا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، بعض دفعہ انسان نیک عمل کرتا ہے لیکن اسے ثواب کی بجائے گناہ ملتا ہے، اس لیے کہ اس کی نیت میں اخلاص نہیں ہوتا اور وہ رضاے الٰہی کی بجائے ریاء ونمود کی خاطر عمل کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کو دلوں کی طہارت اور پاکیزگی کا حکم فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشادی باری تعالیٰ ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ و يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور اُنہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے (البقرہ۲ آیت ۱۲۹)۔

دوسری جگہ ہے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْهِمْ جیسے ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے (البقرہ۲ آیت ۱۵۱)۔ یہاں تزکیہ سے مراد شرک اور گناہوں کی نجاست سے پاک ہونا ہے۔
تیسری جگہ ہے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں ستھرا کرے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (البقرہ۲

آیت ۱۷۴)۔

چوتھی جگہ ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے (اٰل عمران آیت ۱۶۴)۔ یہاں تزکیہ سے مراد کفر وضلالت اور ارتکاب محرمات ومعاصی اور خصائل ناپسندیدہ وملکات رذیہ وظلمات نفسانیہ سے پاک ہونا ہے (خزائن العرفان)۔

پانچویں جگہ آیا ہے وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا وَيُزَكِّيْهِمْ اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ انہیں پاک کرے (آل عمران۳ آیت ۷۷)۔ یہاں تزکیہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ نہیں بخشے گا۔

چھٹی جگہ یوں فرمایا، اَلَمْ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ، کیا تم نے اُنہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں، بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا دانہ خرما کے ڈورے برابر (النساء۴ آیت ۴۹) یہاں یہود ونصاریٰ کی تردید کی گئی ہے کہ ان کا یہ خیال باطل ہے کہ وہی اللہ کے مقرب ومحبوب اور جنتی ہیں، حقیقت میں مقبول ومحبوب وہ ہے جس کو اللہ اپنا محبوب بنائے۔

ساتویں جگہ سورۂ توبہ میں وارد ہوا، خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ، اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم اُنہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو (اَلتَّوْبَة۹ آیت۱۰۳) یہاں تزکیہ کا مفہوم ہے خطا معاف فرمادیجئے اور مغفرت کی دعاء فرمائیے۔

آٹھویں مقام پر سورۂ کہف میں فرمایا گیا۔ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۔ حضرت موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کردی، بے شک تم نے بہت بری بات کی (الکہف ۱۸ آیت ۷۴) یہاں تزکیہ سے مفہوم لیا گیا ہے بے خطا یعنی اے خضر جس لڑکے کو آپ نے قتل کر دیا اُس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

نویں جگہ فرمایا گیا، قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰماً زَكِياً، بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں (سورۃ مریم ۱۹ آیت ۱۹)۔

دسویں جگہ یوں بیان فرمایا گیا ہے، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذَالِكَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكّٰى۔ ہمیشہ اُن میں رہیں اور یہ صلہ ہے ان کا جو پاک ہوا۔ (سورۃ طٰهٰ ۲۰، آیت ۷۶) یہاں پاکیزگی سے مراد ہے کفر کی نجاست اور گناہوں کی گندگی سے پاک ہونا۔

گیارہویں جگہ ارشادِ ربّانی ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَازَكٰى مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَداً وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہوسکتا، ہاں اللہ ستھرا کردیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سنتا جانتا ہے (النور ۲۴ آیت ۲۱)۔ اس آیت میں مومنوں سے فرمایا گیا کہ تمہارا کفر سے تائب ہونا ایمان لانا اللہ کے فضل پر موقوف ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو توفیق توبہ نہ ملتی اور رب تعالیٰ عفو ومغفرت نہ فرماتا۔

بارہویں جگہ قرآن بیان فرماتا ہے، وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور جو ستھرا ہوا اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے، (سورۃ فاطر ۳۵ آیت ۱۸) اس آیت میں تزکیہ سے مراد ہے نیک اور صالح.......

تیرہویں مقام پر اس طرح ہے، فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَاَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں (النجم آیت ۳۲)۔ چودہویں جگہ قرآن فرماتا ہے، يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۔ اُن پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں (الجمعۃ ۶۲ آیت ۲)۔ یہاں تزکیہ کا معنی عقائد باطلہ واخلاق رذیلہ وخبائث جاہلیت وقبائح اعمال سے دور رہنا ہے (خزائن العرفان)۔

پندرہویں مقام پر اس طرح آیا، فَقُلْ هَلْ لكَ اِلٰىٓ اَنْ تَزَكّٰى ۔ اس سے کہہ کہ کیا تجھے رغبت اس طرف ہے کہ ستھرا ہو (النّٰزِعٰتِ ۷۹، آیت ۱۸)۔

سولہویں جگہ ارشاد ربّانی ہے، وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۔ اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو، (۲۔ عبس ۸۰، آیت ۳) یعنی اے محبوب وہ آپ کی باتوں کو سنکر گناہوں سے بچے، یہ ممکن ہے۔ سترہویں جگہ اس سورت میں فرمایا گیا۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى۔ اور تمہارا اس میں کچھ نقصان نہیں کہ وہ ستھرا نہ ہو (عبس ۸۰ آیت ۷)۔

اے محبوب آپ کے ذمہ فقط دعوت دینا اور پیغام پہنچانا ہے اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو اس میں آپ کا کچھ نقصان نہیں۔

اٹھارہویں جگہ قرآن فرما رہا ہے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا (الاعلیٰ ۸۷، آیت ۱۴)۔

انیسویں جگہ اللہ نے یوں فرمایا، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا بیشک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا۔ (الشّمس ۹۱، آیت ۹)۔

التزكية فى اللغة

(زَكَا) الشيئُ . (ن) نَمَاوَزَادَ وَ فُلَانٌ : صَلَحَ وَ تَنَعَّمَ

(اَزْكى) الشَّئُ اَصْلَحَهُ وَطَهَّرَهُ

(الزكاة) اَلْبَرَكَةُ وَ النَّمَاءُ وَالطَّهَارَةُ وَالصَّلَاحُ (العمعجم الوسيط)

(زَكّى) مَالَه (تزكيةً) أدى عنه زكاته

(زَكّىٰ) نَفْسَهُ اَيْضًا مَدَحَهَا وَ قَوْلُهُ تَعَالىٰ: "وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" قَالُوْا :تُطَهِّرُ هم بِهَا و (تَزَكّىٰ) تَصَدّقَ (مُخْتَارُالصِّحَاحِ)

(زَكّیٰ) بڑھنا، زائد ہونا، ہ۔ اللہ: نشوونما کرنا، پاک کرنا، صالح بنانا (مصباح اللغات)

(تزکیہ) پاک کرنا، صفائی (فیروز اللغات)

لغات میں تزکیہ کا مطلب صفائی، پاکی اور نشوونما کے ہیں، دوسرا معنی زکاۃ دینا اور صدقہ کرنا بھی ہے، اپنی تعریف کرنا اور بڑائی بیان کرنے کو بھی زَكّىٰ کہتے ہیں۔

قرآن میں الگ الگ مقامات پر یہ لفظ مختلف صیغوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے، زیادہ تر کفر و معاصی سے دور رہنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یُـزَکِّیۡھِمۡ کی تفسیر بیضاوی نے عـن الشـرك وَالـمعاصی سے فرمائی ہے۔ مطلب واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شان یہ ہے کہ ظاہری و باطنی اور روحانی ہر اعتبار سے آپ بندوں کو پاک کرتے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں لکھا ہے ان سے اچھے اعمال کرا کر ان کے جسموں اور دلوں اور سینوں اور خیالات اور وہم وغیرہ کو بھی پاک فرمادے، خیال رہے کہ یُزَکِّیۡ زکوٰۃ سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں صاف کرنا اور بڑھانا اسی لئے فرضی صدقہ کو زکوۃ کہتے ہیں کہ اس سے باقی مال صاف بھی ہو جاتا ہے اور بڑھتا بھی ہے، یہاں اس کے چند معنی ہیں۔

ایک یہ کہ انہیں اعمال صالحہ کرا کر اور اچھے عقیدے بتا کر کفر اور گناہوں کے میل سے پاک کرے (روح البیان) دوسرے یہ کہ لوح دل کو دنیوی کدورات سے ایسا صاف کردے جس سے کہ سارے حجاب اُٹھ جائیں پھر اس آئینہ قلبی میں غیبی چیزیں نقش ہوں اور بغیر سیکھے سکھائے انہیں علم حاصل ہو، اور حقائق خود بخود ان میں جلوہ گر ہو جائیں (عزیزی) تلاوت وحکمت کے بعد تزکیہ کا ذکر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ صرف پڑھ لینے یا قرآن کا معنیٰ مطلب سمجھ لینے سے مقصود تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ معلم انسانیت، محبوب رب العلمین ﷺ کی نگاہ کرم انہیں پاک نہ فرمادے (تفسیر نعیمی الٓمٓ البقرۃ ص ۸۵۷)۔

علماء قرآن وسنت کے ظاہری احکام کی محافظت کرتے ہیں

دین کے دو پہلو ہیں، ایک جو ظاہر ہے، جو سب پر عیاں ہے، کہ فلاں نمازی ہے، فلاں بے نمازی ہے، فلاں حاجی ہے فلاں بخیل ہے فلاں صاف ستھرا ہے، فلاں گندہ ومیلا ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں جو سب پر عیاں ہیں۔ علماء قرآن وحدیث کا حوالہ دیکر عاقل بالغ مسلمانوں کو احکام شریعہ پر عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ انہیں نہ اس کا علم ہے کہ نمازی کی نماز قبول ہوئی یا نہیں، ارکان ادا کرلیا فرضیت ادا ہوگئی، نماز پڑھتے وقت اس کی قلبی حالت کیا تھی، صرف اُس کا رخ ہی قبلہ کی طرف تھا یا دل بھی مائل تھا

، اس کا علم انہیں نہیں ہوتا سوائے اُن کے جن پر اللہ فضل فرمائے اور اپنی معرفت عطا فرمادے۔

صوفیا اسرار دین کی محافظت فرماتے ہیں

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے بندوں میں بعض کو اپنی ذات وصفات کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ یہ گروہ عام طور پر مخلوق سے علیحدہ اور عزلت نشیں ہوتا ہے۔ اور ہر حال میں صابر وشاکر اور راضی برضا الٰہی ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی، اپنے کو مصائب وآلام اور شدائد سے دوچار رکھتے ہیں اور خلق خدا کی حاجت براری فرماتے ہیں آسائش اور آرام کو اپنے لیے ابتلا وآزمائش سمجھتے ہیں، اور مصیبتوں اور تکلیفوں کو رحمت اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔

اس گروہ کا ہر کام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہوتا ہے، علائق دنیا سے یہ دور بھاگتے ہیں، ان کی زندگی کا نصب العین رضائے الٰہی ہے، بعض ان میں ظاہر ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ، اُن کے حال کی خبر ان کے مرتبے والوں کو ہوتی ہے، ان کا ظاہر آشفتہ اور پراگندہ ہوتا ہے لیکن باطن صاف شفاف اور نور الٰہی سے منور ومجلی ہوتا ہے، یہ دین کے ظاہری احکام وآوامر اور منہیات سے بھی واقف ہوتے ہیں ساتھ ہی رموز دین اور اسرار الٰہیہ سے بھی باخبر ہوتے ہیں۔

ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کے قلوب کو اللہ کی بندگی اور اس کی حاکمیت کی طرف متوجہ کرنا اور دلوں کو صاف ستھرا کرنا ہے، اس لیے کہ افعال ظاہری کی اہمیت اسی صورت میں ہے جبکہ قلب پاکیزہ اور خدا کے غیر سے بے نیاز ہو، قلب کی پاکیزگی ایک پوشیدہ چیز ہے، اس کا علم ظاہر بینوں کو نہیں ہو سکتا، قلب ہر طرح کے حرص وہوس، نفرت وکدورت، شکوک وشبہات، معاصی، شرک اور غلط اوہام اور فاسد خیالات سے خالی ہو اور یہ سب کچھ اللہ جلّ وعلا کی رضا اور قربت کے حصول کی غرض سے ہو، یہ کام اولیاء اللہ انجام دیتے ہیں، جنکو اللہ نے اپنا مقرب اور محبوب بنایا ہے۔ بغیر پاکیزگی نفس کے انسان کے ظاہری اعمال صالحہ کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا کہ اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے، جیسی نیت ہوتی ہے اسی اعتبار سے اللہ عزوجل اجر وثواب عطا فرماتا ہے، بعض دفعہ چھوٹا عمل بخشش کا سامان بن جاتا ہے۔

جس کا نفس پاکیزہ ہوگا وہ مخلص ہوگا،حضرت مالک بن دینار نے فرمایا،میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل میں اخلاص ہے، کیونکہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی تو عمل ہے،اس لیئے کہ عمل کے لئے اخلاص کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے جسم کے لئے روح۔جس طرح بغیر روح کے جسم پتھر و جماد ہے،اسی طرح بغیر اخلاص کے عمل ریت کا تودہ ہے۔

اخلاص باطنی اعمال کے قبیل سے ہے، اور طاعات ونیکیاں ظاہری اعمال کے قبیل سے، ظاہری اعمال کی تکمیل باطنی اعمال کی موافقت پر موقوف ہیں۔اور اعمال باطنی ظاہری اعمال کے ساتھ ہی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہزار برس تک دل سے مخلص رہے، جب تک اخلاص کے ساتھ عمل کو نہ ملائے وہ مخلص نہیں ہوسکتا،اسی طرح اگر کوئی شخص ہزار برس تک ظاہری عمل کرتا رہے لیکن جب تک وہ ظاہری عمل کے ساتھ اخلاص کو نہ ملائے گا وہ عمل نیکی نہیں بن سکتا(کشف المحجوب ص۱۴۳)۔

اس سے سمجھ میں آ گیا کہ بعض لوگ فقط عمل صالح کی فکر اور کوشش میں مگن رہتے ہیں اور ظاہر احوال سے مطمئن جیسا کہ تبلیغی جماعتی اور دیوبندی، وہابی، ہمیشہ دین و مذہب اور نماز و روزہ کی بات کرتے ہیں لیکن عقیدہ اور اخلاص سے بے پرواہ ہوتے ہیں،ان کے اعمال بیکار اور عبث ہیں اس لیئے کہ اعمال کی عمارت عقیدہ کی زمین پر تعمیر ہونی چاہئے جبکہ ان کا عمل سنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اپنی بداعتقادی کو پھیلانے کے لئیے ہوتا ہے، نیز بعض ایسے لوگ ہیں جو کبھی مسجد کا منہ نہیں دیکھتے،نماز سے کبھی شناسائی نہیں ہوئی۔روزۂ رمضان جب آیا شیطان کی طرح مقید ہو گئے کہ کوئی یہ نہ جان جائے کہ یہ بے روزہ دار ہے ان سب کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مخلص ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ درحقیقت یہ چیزیں جہالت وغفلت پر بنی ہیں یا پھر دین کے ساتھ تمسخر اور مذاق ہے،اللہ تعالیٰ احباب اہل سنت کو اخلاص اور پاکیزگیٔ نفس کے ساتھ عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

اللہ کو

توبہ کرنے والے بندے پسند ہیں۔

توبہ کا معنی رجوع کرنا،لوٹنا ہے،اصطلاح میں توبہ کہتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے،اپنے گناہ اور معاصی سے معافی مانگے اور اس کی مغفرت طلب کرے،اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے بندے پسند ہیں،قرآن کریم میں کثیر مقامات پر توبہ کا حکم وارد ہوا ہے،ساتھ ہی متعدد جگہوں پر اللہ نے توبہ قبول فرمانے کا اعلان بھی فرمایا ہے،

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾

بیشک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ (البقرہ۲ آیت۲۲۲)۔

دوسری جگہ آیا ہے:-

فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾

پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی، بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (البقرۃ۲ آیت ۳۷)

آ گے فرمایا:-

فَتُوبُوٓاْ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾

تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (البقرۃ۲ آیت۵۴)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے توبہ کا حکم فرمایا ہے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف رجوع کریں۔ بندے کی توبہ ہے گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنا۔ اور حق تعالیٰ کی توبہ ہے سزا سے مغفرت کی طرف رجوع کرنا، لہٰذا توبہ رب کی بھی صفت ہے اور بندے کی بھی مگر علیحدہ علیحدہ معنی ہے، بندے کی مکمل توبہ یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں سے شرمندہ ہو، اور فی الحال وہ گناہ چھوڑے اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا عہد کر لے، اگر حقوق سے توبہ کرتا ہے تو اُن کو ادا بھی کرے، مثلاً قرضدار ہے تو قرض ادا کرے اور نمازیں قضا ہوگئی ہیں تو زبان سے توبہ کیساتھ قضا نمازوں کو جلد از جلد ادا بھی کرے، (تفسیر نعیمی زیر آیت فتلقّیٰ اٰدمُ جزء اول بقرۃ آیت نمبر ۳۷)۔ اللہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے، بندہ ہزاروں بار گناہ کرے اور پھر صدق نیت سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور یہ اس کا کرم اور احسان ہے کہ بار بار معصیت میں مبتلا ہونے والوں کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، توبہ خاطی اور باغی میں فرق کرنے والی ہے، اگر انسان اضطراراً کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ شرمندہ ہو کر اپنے گناہ سے رجوع کرتا ہے اور نادم ہوتا ہے جبکہ باغی جان بوجھ کر مرتکب گناہ ہوتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے اور ارتکاب معصیت پر فخر کرتا ہے، سورۃ البقرۃ کے آیت نمبر ۵۴ میں فرمایا گیا کہ توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر توریت لینے کے لئے تشریف لے گئے، وہاں چالیس روز قیام فرمایا، روزہ کی

حالت میں اللہ نے دس ذی الحجہ کو دوپہر کے وقت توریت عطا فرمائی۔ ادھر ان چالیس دنوں میں آپ کے متبعین ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہو گئے انہوں نے سونے کے بچھڑے بنا لیے اور اس کی پوجا کرنے لگے، جب حضرت موسیٰ تشریف لے آئے تو یہ حالت دیکھکر بہت حیران ہوئے، اس موقع پر اللہ نے اُن کے ماننے والوں کو توبہ کا حکم دیا ساتھ ہی اس غلطی پر تعزیر فرمائی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دیں، آپس میں قتل کرنا ہی اُن کی حقیقی توبہ تھی۔ ان کے لئے اتنا سخت حکم اس لئے نازل ہوا چونکہ انہوں نے ایمان لانے کے باوجود ایک بے عقل کو خدا اور معبود بنایا جو نہایت درجہ رسوائی اور بے غیرتی کی بات تھی، لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ تمہارا آپس میں ایک دوسرے کو مار ڈالنا تمہارے حق میں اللہ کے نزدیک بہتر ہے، یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو تھا لیکن اللہ کی شان کریمی ہے کہ اس نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے اتنی آسانیاں فرما دی کہ بندے گناہ کریں اور سچے دل سے توبہ کر لیں تو اللہ کرم کرنے والا مہربان ہے، خود قرآن میں فرمایا جا رہا ہے:-

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُواْ ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُواْ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (النساء۴، آیت۶۴)

اس آیت میں توبہ قبول ہونیکی وجہ بتائی گئی ہے کہ بندے اگر گناہ کا ارتکاب کر لیں تو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور نبی اکرم اُن کے حق میں شفاعت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا پائیں گے، گویا کہ قبولیت توبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اہم سبب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں جب گناہ صادر ہوتے تو لوگ سرکار اقدس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ کرتے اب جبکہ حضور ہماری ظاہری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں تو اگر اُن کی قبر انور کے وسیلے اور قرب میں دعاء کی جائے تو ضرور قبول ہوگی۔

اس آیت سے توسل بِقَبْرِالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز ثابت ہوتا ہے۔توبہ کی اصل رجوع اِلی اللہ ہے۔اس کے تین ارکان ہیں۔ایک اعتراف جرم، دوم ندامت، سوم اس گناہ سے بچنے کا پکّا عہد،(خزائن العرفان) صرف آدمی زبان سے توبہ کرے اور دل میں ہو کہ توبہ کرلیا لیکن موقع ملیگا تو پھر گناہ کریں گے تو یہ توبہ نہیں بلکہ مذاق ہے۔بعض لوگ زبانی ریا کے طور پر توبہ کرتے ہیں جبکہ بار بار انہیں برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسی توبہ کرنے والوں کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا۔قرآن میں وارد ہوا:-

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے (النصر ۱۱۰، آیت ۳)۔

یہاں پر توبہ استغفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ توبہ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے پروردگار کی حمد وثنا بجالاؤ پھر توبہ کرو اور مغفرت چاہو تو اللہ اتنا بڑا کریم ورحیم ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف بھی فرماتا ہے اور نیکی کی توفیق بھی بخشتا ہے۔

اس کی رحمت اُس کے قہر وغضب پہ غالب ہے، بندے کے سالہا سال کے گناہوں کو پروردگار آنسو کے چند قطروں کے سبب معاف فرما دیتا ہے، اگر وہ مواخذہ کرنے پہ آئے تو آسمان و زمین میں کوئی پناہ دینے والا نہ ملے، یہ اس کے کرم کی برسات ہے کہ گنہگاروں کو عذاب میں گرفتار کرنیکی بجائے فرماتا ہے کہ گناہوں سے معافی مانگ لو ہم معاف کرنے والے ہیں۔مہربان ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے:-

وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کیساتھ رجوع فرما بیشک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔(البقرۃ ۲، آیت ۱۲۸)

قرآن کریم میں اللہ جل مجدہ الکریم نے بار بار اپنے بندوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔یہ خداوند کریم جل جلالہ کی بندوں کیساتھ غایت درجہ کی رحیمی وکریمی ہے، گناہوں سے توبہ کرکے پاک وصاف ہونے کی اللہ تاکید فرمارہا ہے، اس لیے کہ گنہگار جب اپنے گناہوں سے توبہ کرلیتا ہے تو ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسا کہ اس پر کوئی گناہ ہے ہی نہیں۔بالکل پاک وصاف ہوجاتا ہے، خدائے غفور وقدیر کا ارشاد ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

مگر وہ جو توبہ کریں اور سنواریں اور ظاہر کردیں تو میں اُن کی توبہ قبول فرماؤں گا میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان (البقرۃ ۲، آیت ۱۶۰)۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ توبہ کیساتھ اصلاح حال بھی کرو صرف زبانی رجوع نہ کرو بلکہ عملی طور پر ثابت کرو کہ تم نے دل سے توبہ کرلی ہے۔

کچھ ایسے لوگ ہیں جنکی توبہ اللہ قبول نہیں فرماتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

بیشک وہ جو ایمان لاکر کافر ہوئے اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے۔ (آل عمران ۳، آیت ۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ توبہ مؤمنین متقین کے لیے مفید ہے نہ کہ مرتدین ومنافقین کے لئے۔ دوسری جگہ رب کریم فرمارہا ہے:-

فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾

إِنَّمَا ٱلتَّوۡبَةُ عَلَى ٱللَّهِ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسُّوٓءَ بِجَهَٰلَةٖ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٖ فَأُوْلَٰٓئِكَ يَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴿١٧﴾

پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک ہوجائیں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے (النساء۴، آیت ۱۶)۔

اسی میں آگے فرمایا:

وَلَيۡسَتِ ٱلتَّوۡبَةُ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلۡمَوۡتُ قَالَ إِنِّي تُبۡتُ ٱلۡـَٰٔنَ وَلَا ٱلَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمۡ كُفَّارٌۚ أُوْلَٰٓئِكَ أَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمٗا ﴿١٨﴾

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ جو اُنھیں کی ہے جو نادانی سے بُرائی کر بیٹھیں پھر تھوڑی ہی دیر میں توبہ کرلیں ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ (النساء۴، آیت ۱۷)
اور وہ توبہ اُن کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔(النساء۴، آیت ۱۸)

ان دونوں آیتوں میں واضح کیا گیا کہ اللہ رب العزت اُن لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو غلطی اور جہالت ولاعلمی کے سبب گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جیسے ہی اپنی غلطی کا علم اور احساس ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایسوں کی توبہ کا کوئی مطلب نہیں جو جان بوجھ کر گناہ کرتے رہتے ہیں، ہر مرتبہ توبہ کرتے ہیں پھر وہی گناہ باربار دہراتے ہیں یا وہ جو عذاب الٰہی کو دیکھ کر جانکنی کے عالم میں توبہ کرتے ہیں یا پھر جن کی موت کفر پر ہوئی ایسوں کو توبہ فائدہ نہیں پہنچاتی، توبہ کا مطلب ہے کہ جس گناہ سے توبہ کیا ہے دوبارہ اس کے تصور سے بھی اجتناب کرے۔

سورۂ نساء کے اندر ایک جگہ توبہ کا اس طرح ذکر ہے:-

فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ

تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے (النساء۴، آیت ۹۲)۔

یہاں توبہ کا عملی حکم دیا گیا ہے، اس آیت میں قتل کے کفارے کا ذکر ہے کہ جو شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ دو ماہ کے روزے رکھے یہی اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ قرآن میں اللہ نے توبہ کے نام سے ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے، اس سورت کے اندر کئی جگہوں پر توبہ کا ذکر ہے۔

أَلَمۡ يَعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ هُوَ يَقۡبَلُ ٱلتَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهِۦ وَيَأۡخُذُ ٱلصَّدَقَٰتِ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقے خود اپنے دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(التوبۃ۹، آیت ۱۰۴)۔

اسی میں ہے:-

وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيۡهِمۡۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ ﴿١٠٦﴾

یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔(التوبۃ ۹، آیت ۱۰۶)

آگے فرمایا جارہا ہے:-

ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوبُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

پھر اُن کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں، بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(التوبۃ ۹، آیت ۱۱۸)۔

اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے، گناہوں کے سبب آدمی تنگیٔ رزق کا شکار ہو جاتا ہے، گناہ کے باعث اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے آدمی محروم ہو جاتا ہے، جبکہ توبہ کے سبب اللہ تعالیٰ درازیٔ عمر اور کشائش رزق فرماتا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:-

وَأَنِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَـٰعًا حَسَنًا

اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا۔ (ھود۱۱، آیت۳)

یعنی توبہ کرنے سے دینی منافع کے ساتھ دنیوی مال ومتاع میں بھی برکت ہوتی ہے، اسی میں ہے:-

وَيَـٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا

اور اے میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اُس کی طرف رجوع لاؤ وہ تم پر زور کا پانی بھیجے گا۔ (ھود۱۱، آیت۵۲)

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا:-

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ

اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور اس میں تمہیں بسایا تو اُس سے معافی چاہو پھر اُس کی طرف رُجوع لاؤ۔ (ھود۱۱، آیت۶۱)

وَٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى رَحِيمٌ وَدُودٌ (۹۰)

اور اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بیشک میرا رب مہربان محبت والا ہے۔ (ھود۱۱، آیت۹۰)

سورۂ ھود کے علاوہ سورہ النور میں وارد ہوا:-

وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ وَأَنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ (۱۰)

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے۔ (النور۲۴، آیت۱۰)

اسی میں ہے:-

وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۳۱)

اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ (النور۲۴، آیت۳۱)

سورۂ مومن میں ہے:-

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ .

گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب کرنے والا۔ (المومن۴۰، آیت۳)

وَهُوَ ٱلَّذِى يَقْبَلُ ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَعْفُوا۟ عَنِ ٱلسَّيِّـَٔاتِ

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگذر کرتا ہے۔ (الشوریٰ۴۲، آیت۲۵)

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (۱۲)

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو، بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے، اور عیب نہ ڈھونڈھو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت

کھائے تو یہ تمہیں گوارہ نہ ہوگا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان
ہے۔ (الحجرات ۴۹،آیت ۱۲)

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کے لیے نصیحت ہو جائے۔
(التحریم ٦٦، آیت ٨)

توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی جب توبہ کرلے تو پھر گناہ کی طرف نہ جائے،جس طرح دودھ تھن سے نکلنے کے بعد تھن میں واپس نہیں جاسکتا اُسی طرح توبہ نصوح کرنے والا گناہ کی طرف رخ نہ کریگا۔

پورے قرآن سے کل پچیس آیات مبارکہ کو پیش کیا گیا ہے جنمیں بعض مقامات پر بندوں کو توبہ کا حکم فرمایا گیا ہے،بعض جگہوں پر اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور توبہ قبول کرنا اس کی مجبوری نہیں بلکہ اس کا فضل اور کرم ہے،ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ توبہ کرنیکا صحیح طریقہ اور قبولیت توبہ کے لئے کیا کرنا چاہیے۔توبہ سے پہلے رب تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بجالانا،کبریائی اور بڑائی بیان کرنا،نیک عمل کے بعد توبہ کرنا اورنبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے استغفار کرنا قبولیت توبہ کے اسباب ہیں،نیز یہ بتایا گیا کہ جھوٹی توبہ نہیں قبول ہوتی،جانکنی کے وقت کی جانے والی توبہ،کفر پر جس کی موت ہوئی ہو اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔توبہ کرنے والوں کو اپنی توبہ پہ قائم رہنا چاہیے یعنی گناہوں اور معاصی سے ہرلمحہ پرہیز کرنا چاہیے،اوراللہ سے ڈرنا چاہیے کہ ضرور وہ مہربان ہے،توبہ قبول کرنے والا ہے ساتھ ہی وہ شدید العقاب بھی ہے،وہ گرفتار بلا فرمائے،قہر وغضب پہ آئے تو اس کے جلال اورغضب کے سامنے کسی کو مجال دم زدنہیں ،اُس کا عذاب نہایت درجہ سخت اور ہلاکت خیز ہے۔حضرت خواجہ ضیاءالدین نخشبی بدایونی فرماتے ہیں:-

والتوبة اَصْلُ كُلِّ مَقامٍ وَهِيَ مِفْتَاحُ كُلِّ حَالٍ وَهِيَ اَوَّلُ الْمُقَدماتِ وَهِيَ مُشَابِهَةُ الْاَرضِ لِلْبِنَاءِ مِمَّنْ لاَ اَرْضَ لَهُ لاَ بِنَاءَ لَهُ مِمَّنْ لاَ تَوْبَةَ لَهُ لاَ حَالَ لَهُ وَلاَ مَقَامَ لَه۔

توبہ ہر مقام کی اصل ہے اور یہ ہر حال کی کنجی ہے اور یہی مقدمات کی پہلی منزل ہے اور یہ عمارت کے لئے زمین کی مانند ہے پس جس کے پاس زمین نہیں اُس کے لئے عمارت نہیں جس کے لئے توبہ نہیں اس کے لئے نہ کوئی حال ہے اور نہ کوئی مقام ہے۔(سلک السلوک ص ۴۹ ترجمہ مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی)

جب توبہ ہر مقام کی اصل ہے، جب کوئی صاحب مقام ہونا چاہے تو اُسے چاہیے کہ نئی نویلی دلہن کی مانند توبہ کی برہم زلفوں کو سنوارے اور اسے حاصل کرے اور صاحب توبہ پر لازم ہے بعد توبہ گناہ کو اپنے لیے ویسا ہی دشمن تصور کرے جیسا کہ وہ توبہ سے قبل اُسے دوست رکھتا تھا۔

اسی میں ہے ’’یحییٰ بن معاذ نے فرمایا تائب کے لئے بعد توبہ ’’اک گناہ‘‘ توبہ سے پہلے کے ستر گناہوں سے کہیں زیادہ قبیح ہے۔‘‘

ایک شخص نے بڑھاپے میں توبہ کی۔لوگوں نے کہا تم نے توبہ کرنے میں جلدی کی،اور آہستہ روی سے بھی کام لیا۔کیونکہ تم نے توبہ کو بڑھاپے تک مؤخر کیا،اور جلدی اس لئے کہ موت سے پہلے توبہ کرلی۔

حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ عاصی (گنہگار) کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں، فرمایا اس وقت تک وہ توبہ کرہی نہیں سکتا جب تک خدا توفیق نہ دے اور جب توفیق حاصل ہوگئی تو قبولیت میں کوئی شک نہیں رہا(تذکرۃ الاولیاء،ص ۴۹ شیخ فریدالدین عطار)۔

حضرت رابعہ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ صرف زبانی توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کا فعل ہے کیونکہ صدق دلی سے اگر توبہ کی جائے تو دوبارہ کبھی توبہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔(حوالہ سابق)

مسند احمد بن حنبل جلد دوم،حلیۃ الاولیاء جلد ہفتم،المعجم الکبیر للطبرانی جلد سوم کے حوالہ سے مکاشفۃ القلوب میں ہے- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قیامت کے دن بہت سے لوگ ایسے ہونگے جو

خود کو تائب سمجھ کر آئیں گے مگر ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی اس لئے کہ انھوں نے توبہ کے دروازے کو شرمندگی سے مستحکم نہیں کیا ہوگا، توبہ کے بعد گناہ نہ کرنے کا عزم نہیں کیا ہوگا، مظالم کو اپنی امکانی طاقت تک دفع نہیں کیا ہوگا۔

اسی میں آگے ہے فقیہ ابواللیث سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اے عمر! کیوں روتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ دروازے پر کھڑے ہوئے جوان کی گریہ وزاری نے میرا جگر ہلا دیا۔ آپ نے فرمایا اُسے اندر لاؤ! جب جوان حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے جوان تم کیوں رو رہے ہو؟ عرض کی حضور اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اور رب ذوالجلال کے خوف سے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے شرک کیا ہے؟ کہا : نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے ناحق خون کیا ہے؟ کہا: نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر ترے گناہ ساتوں آسمان، ساتوں زمین اور پہاڑوں کے برابر ہوں تب بھی اللہ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔

جوان بولا یا رسول اللہ! میرا گناہ اس سے بھی بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی۔ عرض کیا میرا گناہ۔ آپ نے فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرشِ الٰہی! عرض کی میرا گناہ۔ آپ نے فرمایا، تیرا گناہ بڑا ہے یا رب ذوالجلال؟ عرض کی رب ذوالجلال بہت عظیم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ جرم عظیم کو رب عظیم ہی معاف فرماتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا تم اپنا گناہ مجھے بتلاؤ عرض کی حضور شرم آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں، بتلاؤ، عرض کی میں سات سال سے کفن چوری کرتا ہوں، انصار کی ایک لڑکی فوت ہوگئی تو میں نے اس کا کفن چرایا، ابھی راستے ہی میں تھا کہ شیطان مجھ پر غالب آگیا اور میں لوٹ کر لڑکی کی قبر میں گیا اور اس سے بدکاری کی، گناہ کر کے ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ لڑکی اُٹھ کر کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی اے جوان خدا تجھ کو غارت کرے تجھے اس نگہبان کا خوف نہیں آیا جو ہر مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلاتا ہے۔ تو نے مجھے مُردوں کی جماعت سے برہنہ کر دیا اور دربارِ خداوندی میں ناپاک کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو فرمایا دور ہو جا اے بدبخت! تو

نارِ جہنم کا مستحق ہے۔

جوان وہاں سے روتا ہوا اور استغفار کرتا ہوا نکل گیا، اسی حال میں چالیس روز گزر گئے تو اُس نے آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہا اے محمد و آدم و ابراہیم علیہم السلام کے رب! اگر تو نے میرے گناہ بخش دیے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مطلع فرما ورنہ آسمان سے آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور جہنم کی آگ سے بچا لے۔ اُسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور پوچھتا ہے کہ مخلوق کو تم نے پیدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے اور تمام مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اسی نے رزق دیا ہے، تب جبریل نے کہا اللہ فرماتا ہے میں نے جوان کی توبہ قبول کر لی ہے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کو بُلا کر اسے توبہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا (مکاشفۃ القلوب ص ۱۱۶/۱۱۷/۱۱۸)۔

توبہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا، میں گناہ کر کے انتہائی شرمندہ ہوں، میرے لئے توبہ ہے؟ آپ نے منہ پھیر لیا۔ جب دوبارہ اس شخص کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں، کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کئے جاتے ہیں، سوائے باب توبہ کے۔ وہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ عمل کرتا رہ اور رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے بیس سال مسلسل اللہ کی عبادت کی، پھر بیس سال گناہوں میں ملوث رہا، جب اُسے ڈھلتی عمر کا خیال آیا تو بہت غمگین ہوا اور عرض کی اے اللہ میں نے بیس سال تیری بندگی کی پھر بیس سال معصیت میں مبتلا رہا۔ اگر میں تیری طرف لوٹ آؤں تو تو مجھے قبول فرمائے گا، غیب سے ندا آئی۔ تم نے ہم سے محبت کی ہم نے تجھے محبوب بنایا، تو نے ہمیں چھوڑ دیا، ہم نے تجھے چھوڑ دیا، تو نے گناہ کئے ہم نے مہلت دیدی، اب اگر تو ہماری بارگاہ میں لوٹے گا تو ہم تجھے شرف قبولیت بخشیں گے۔

حضرت علی سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کی پیدائش سے چار ہزار برس قبل عرش کے چاروں طرف لکھ دیا گیا تھا :-

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے میں اسے بخشنے والا ہوں پھر ہدایت پر رہا۔(سورۃ طٰہ۲۰، آیت نمبر۸۲)

گستاخ رسول کو اللہ توبہ کی توفیق نہیں دیتا

گناہگاروں کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے، توبہ بھی اللہ کی توفیق اور مدد پر موقوف ہے۔ ہر گناہ اور بُرائی کرنے والوں کو اللہ رب العزت ہدایت دیتا ہے سوائے اُس کے جس نے انبیائے کرام کی بارگاہ میں گستاخی کی، علماء کے کثیر اقوال ہیں اس بارے میں کہ مرتد اور گستاخ رسول کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ شفا شریف جلد دوم میں حضرت قاضی عیاض مالکی اندلسی نے علما کے اقوال نقل کئے ہیں۔

شفا شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے یا ذات نبوی میں نقص نکالنے والے کے بارے میں یہ بات اجماع امت سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔

یہ بات مشاہدہ میں بھی ہے کہ وہ فرقے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرتے ہیں مثلاً وہابیہ، دیوبندیہ وغیرہ ان کے پیروکار سب کچھ جاننے کے باوجود تائب نہیں ہوتے۔ تقریریں سنتے ہیں، کتابیں پڑھتے ہیں، بار بار علمائے اہل سنت نے تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، براھین قاطعہ، تحذیر الناس جیسی بدنام زمانہ کتابوں میں چھپی گستاخیوں سے عوام وخواص کو متنبہ کیا اس کے باوجود دیوبندی وہابی اپنے علماء کی کفری عبارتوں سے جان چھڑاتے ہیں مگر توبہ کر کے اسلام قبول نہیں کرتے، غرضیکہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گستاخ رسول کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

اللہ رب العزت ہم سب کو ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ گناہ ومعصیت اور کفر وشرک سے بچائے۔ بدمذہب وہابیوں، دیوبندیوں اور صلحکلیوں کے ناپاک عقائد وافکار سے محفوظ رکھے اور ان کے اختلاط سے دور ونفور عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبیہ الکریم۔

عورتوں کے حقوق

انسان کا وجود اس زمین پر مرد وعورت کے باہمی رشتے کے سبب قائم ہے۔ مرد کے بغیر عورت کا وجود بیکار ہے اور عورت کے بغیر مرد کا وجود عبث ہے، مرد وعورت دونوں انسانی زندگی کے بنیادی عناصر ہیں۔ اتنی بات متحقق ہوگئی کہ مرد وعورت دونوں کے لئے ایک دوسرے کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح فطرت کا قانون اس بات کا متقاضی ہے کہ دونوں کے حقوق بھی یکساں ہوں، اس لئے کہ دونوں ذی روح ہیں، دونوں احساس کی صلاحیتوں سے متصف ہیں، دونوں کی ضرورتیں ہیں، دونوں کو خوشی اور غم کا احساس ہوتا ہے، درد وکرب سے دونوں بے چین ہوتے ہیں، فرحت وسُرور کے اسباب دونوں کو مسرور وشادماں کرتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ دونوں کے اپنے اپنے حقوق ہیں، اس لئے کہ جب ضرورتیں دونوں کی ہیں تو حقوق بھی دونوں کے ہونگے۔

اسی لئے قرآن نے عورتوں کو مساوات کا درجہ دیا، اللہ فرماتا ہے،

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَٰلِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے، ترکہ

تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ بندھا ہوا۔(النساء۴،آیت ۷)۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا:-

وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

اورعورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (البقرۃ ۲،آیت ۲۲۸ پ۲)

ان دونوں آیتوں میں قرآن نے عورتوں کے حقوق کی بات اسی پیرایہ میں بیان کی ہے جسمیں حقوق نسواں کی صدفی صدوکالت اور تائید ہوتی ہے،ان دونوں آیات میں صرف عورتوں کے حقوق کی بات نہیں کی گئی ہے بلکہ برابری کا درجہ بھی دیا گیا ہے،ساتھ ہی قرآن نے مردوں کو عورتوں پر زیادتی کرنے اوران کے مال زبردستی لینے سے منع فرمایا ہے۔

جبراً عورتوں کے اقارب کا وارث بننا جائز نہیں

زمانۂ جاہلیت میں مرد اقارب کی عورتوں کے وارث بن جاتے تھے،انہیں بغیر مہر کے اپنی زوجیت میں لے لیتے تھے یا اُن کا نکاح کسی سے کرا کے دین مہر خود لے لیتے تھے،یا انہیں قید کر دیتے تھے،عورتیں دور جاہلی کے مردوں کے جبر وظلم سے مجبور تھیں،اُن کے درد کا کوئی درماں نہیں تھا،اُن کی مشکل کشائی کرنے والا کوئی نہ تھا،کسی چارہ گر کی ضرورت تھی،تمام مظلوموں اور بیکسوں کی دستگیری کے لئے رحمۃ للعالمین کی وادی بطحا میں بعثت ہوئی،محسن انسانیت چارہ ساز دردمنداں صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے مظلوموں اور کمزوروں کے مددگار بن کر کھڑے ہوتے ہیں،آپ کا خدا ارشاد فرماتا ہے:-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ

اے ایمان والو تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی اپنے اقارب کی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔(النساء۴،آیت ۱۹)۔

گویا کہ قرآن برملا عورتوں کے حقوق اور مساوات و برابری کی تائید کر رہا ہے،ساتھ ہی ایمان والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی عورتوں کے حقوق غصب نہ کرو بلکہ اُن کے حقوق ادا کرو،افسوس کیساتھ

کہنا پڑ رہا ہے کہ اسلام اور قرآن کے اتنے واضح اور صاف اعلان و احکام کے باوجود اسلام دشمن طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق سے متعلق طعن وتشنیع کرتی ہیں،لیکن ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ بعض مسلم کہلانے والے علم دوست حضرات کی طرف سے بھی اسی طرح کی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو حقوق نہیں دئے اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے،حقوق کا نہ دیا جانا یا عورتوں، کمزوروں پر مظالم کا روا رکھنا اسلام کا طریقہ نہیں،اسلام ان زیادتیوں کے خاتمے کے لئے آیا ہے اور اس طرح کی برائیوں کا قلعہ قمع کیا ہے،عورتوں کے حقوق دلوائے،اس سلسلے میں مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی لکھتے ہیں ''تقسیم میراث کے سلسلے میں یہ ناانصافی صرف عرب کے جاہلانہ تمدن ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ دنیا کی ترقی یافتہ تمدنی قوموں میں بھی یہی انداز ستم عام تھا،مذاہب اور اصلاحی تحریکیں بھی کوئی ایسا معتدل اور جامع نصب العین پیش نہیں کرتی تھیں جس سے تقسیم میراث کے سلسلے میں بے اعتدالی اور غاصبانہ طریقۂ کار کا خاتمہ کیا جا سکے۔(تفہیم الفرائض ص۱۸)۔

اسلامی نظام معاشرت کی برکت ہے کہ میراث کا مکمل ضابطہ اور قانون دنیا کو ملا۔قرآن کریم نے میراث پانے والوں کی تفصیل کس کو ترکہ ملیگا اور کس کو کتنا ملیگا سب کچھ واضح کر دیا۔

حصوں کی تفصیل

يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَٰحِدَةً فَلَهَا ٱلنِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ،دو بیٹیوں کے برابر ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی،اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد

ہو۔(النساء۴،آیت۱۱)

اس آیت میں یہ صاف صاف بتا دیا گیا کہ بیٹے کو کتنا اور بیٹی کو کتنا، ماں باپ اور اُن کے بھائی بہن کو کتنا کن صورتوں میں ترکہ ملیگا، اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اسلام عورتوں کے حقوق سے متعلق کتنا سنجیدہ ہے۔

عدم مساوات کی وضاحت

ایک بات ضرور وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ اس آیت سے عورتوں کے حقوق کا پتہ چلتا ہے لیکن مساوات اور برابری کی نفی ہوتی ہے، قرآن نے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کہا اس کا مطلب ہوا کہ بیٹیوں کے دونا بیٹوں کو ترکہ میں حصہ ملیگا، بلا شبہ باپ کے ترکہ میں یا ماں کے ترکہ میں بیٹوں کا حصہ بیٹیوں سے دونا ہے، اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ عورت کو ایک حصہ ماں باپ کے مال سے ملتا ہے اور دوسرا حصہ اُسے اپنے شوہر کے مال سے ملتا ہے۔

پھر یہ کہ بالغ ہونے سے پہلے بیٹی کی ذمہ داری اور کفالت باپ کرتا ہے، اور نکاح کے بعد بیوی بننے کی صورت میں نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر ادا کرتا ہے، ساتھ ہی ایک عورت کو شوہر کی جانب سے دین مہر کی شکل میں بھی مال حاصل ہوتا ہے، لیکن اس تفریق کی بڑی وجہ اور حکمت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ مرد کے اوپر بیوی، بچوں اور پورے گھر کی ذمہ داری ہوتی ہے، جبکہ عورت کے اوپر اس طرح کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ عورت خود اپنے شوہر کی ذمہ داری میں ہوتی ہے، اس کے تمام تر اخراجات کا بار مرد اٹھاتا ہے چونکہ فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے، اور عورت صنف نازک ہے جو اس طرح کے بار اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتی، اس لئے انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ عورت کے مقابلہ مرد کو ترکہ زیادہ ملے۔

اسلام میں پہلا ترکہ

اسلام میں سب سے پہلا ترکہ سعد بن ربیع خزرجی کا تقسیم ہوا۔ سعد بن ربیع خزرجی رضی اللہ عنہ ۳ھ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ان کا سارا مال ان کے بھائی نے قدیم دستور کے مطابق لے لیا، سعد بن

ربیع کی بیوی اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں، بیوی یتیم بچیوں کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں، کہا ان بچیوں کے باپ نے اُحد میں شہادت پائی۔ ان کے باپ کا مال ان کے چچا نے لے لیا، اب ان کے نکاح کا مرحلہ ہے۔ ظاہر ہے جو مال کے بغیر طے نہیں ہوسکتا، سرکار نے اُن سے فرمایا عنقریب خداوند تعالیٰ کا فیصلہ آنے والا ہے۔

کچھ دنوں بعد یہ حکم نازل ہوا یوصیکم اللہ فی اولادکم الی آخرہ۔ اس حکم کے نزول کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع کے بھائی کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال متروکہ سے دو تہائی ۲/۳ دونوں بیٹیوں کو اور آٹھواں حصہ ۱/۸ سعد کی بیوی کو دیدو اور بچا ہوا مال لے لو اور اسی طرز پر اوس بن ثابت کا ترکہ بھی تقسیم ہوا۔(تفہیم الفرائض ص۲۰/۲۱)

اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مرنے والوں کے مال میں جس طرح بیٹوں کا حصہ ہوتا ہے اُسی طرح بیٹیوں کا بھی حصہ ہوتا ہے، جس طرح بھائی اپنا حصہ بہر صورت لیتے ہیں اسی طرح بہنوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا حصہ لیں اور اگر کوئی بھائی اپنی بہنوں اور کوئی چچا اپنی بھتیجیوں کے ترکہ دینے سے منع کرتا ہے تو ان عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں استغاثہ کریں اور اپنا حق وصول کریں۔ بہت سارے لوگوں کا خیال ہے کہ عورتوں کو جہیز دیا جاتا ہے اور اُن کی شادی میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہی ان کا حصہ ہے، پھر یہ کہ اگر عورتوں نے اپنے حصے لے لیے تو کس منہ سے وہ اپنے میکہ آئیں گی اور کون انہیں پوچھے گا۔ یہ خیالات غلط اور مہمل ہیں جس طرح سے عورتوں کی شادی میں خرچے ہوتے ہیں اسی طرح مردوں کی شادیوں میں بھی خرچے ہوتے ہیں پھر ایک بھائی جب اپنا حق لیتا ہے تو دیگر بھائیوں سے رشتے نہیں خراب ہوتے، سب ایک دوسرے کے یہاں آتے ہیں، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے ہیں، ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں تو یہی معاملہ بہنوں کیساتھ کیوں نہیں ہوسکتا۔

عورتوں کوحق نہ دینا حرام ہے

بہنوں کواور ترکہ پانے والی عورتوں کوان کا حق نہ دینا ناجائز وحرام ہے،حقداروں کی مرضی کے بغیراُن کے مال سے استفادہ کرنا غصب اورظلم ہے اور باطل طریقے پر مال حاصل کرنا ہے جس کا اللہ کے یہاں حساب دینا ہوگا،اس لیے مسلمانوں کوچاہئے کہ ہرمسلمان اپنی عورتوں کے حقوق کوادا کرے، اُن کے ترکہ کا مال انہیں دے،اگراُن کی جائداد لیکر ضیافت کیا یا شادی میں دعوت دیا اور کچھ تحفے پیش کیے تو یہ بہن کیساتھ رشتہ کہاں نبھایا یہ تو ایک طرح کا سودا ہوا کہ بہن نے اپنی میراث تمہیں دی تو تم نے سال میں ایک دو دعوتیں کردیں اور کچھ سامان تحفے میں دے دئے اگر بہنوں کو اپنی بہن سمجھتے ہوتو پہلے ان کا حق ادا کرو،تم اپنی بہنوں کا حق دوگے تمہاری بیویوں کو اُن کے بھائی ان کے حقوق دیں گے۔

مطالبۂ جہیز ایک وبا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے ابوالبشر سیدنا آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا،حضرت آدم علیہ السلام کی تنہائی اور اکیلے پن کو دور کرنے نیز تسکین قلب اور قرار جان کے لیے اُن کی بایاں پسلی سے تمام انسانوں کی ماں حضرت حوّا رضی اللہ عنہا کو وجود بخشا۔

حضرت آدم وحوّا سے تمام انسانوں کو پیدا کیا،اور دنیا میں قیامت تک جتنے مرد وعورت پیدا ہوتے رہیں گے،سب انہیں کی اولاد کہلائیں گے،نسل انسانی کی ابتداء اور آدمیت کی شروعات حضرت آدم وحوّا کے اختلاط سے ہوتی ہے حضرت آدم علیہ السلام نے جیسے ہی حضرت حوّا کو دیکھا آپ نے اُن سے ملنا چاہا،آپ کی توجہ صنف نازک کی طرف ہوئی،اللہ کا حکم ہوا اے آدم پہلے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانا۔ جنت میں ساری نعمتیں اور راحتیں موجود تھیں لیکن وہ تمام نعمتیں راحت جان نہ بن سکیں،اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے عورت کے اندر ایسی کشش اور جاذبیت رکھی ہے جو دنیا کی کسی چیز کے اندر نہیں،دنیا کا سارا حسن وجمال اور تمام فطری مناظر نسوانی حسن کے سامنے ماند ہیں،مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی جانب ملتفت ہونا خدا کی مرضی کے مطابق ہے،یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر مرد کے اندر عورت کے لیے خواہش ہوتی ہے اور ہر عورت کے اندر مرد کے لئے جذبۂ محبت ورفاقت ہوتی ہے،ان جذبات کے پاکیزہ اور شرعی استعمال کے لیے اسلام نے نکاح کا قانون عطا فرمایا ہے۔

اسلام میں نکاح کا مقصد

دیگر مذاہب اور ادیان میں بھی نکاح کا قانون ہے، لیکن اسلام میں نکاح کا مقصد نہایت اعلیٰ و ارفع ہے، دوسری اقوام میں نکاح اور شادی خواہشات نفسانی اور ہوائے نفس کی تکمیل کا ذریعہ ہے یا زیادہ سے زیادہ افزائش وارثین، لیکن اسلام نکاح کے ذریعہ نسل انسانی کی افزائش اور بقا چاہتا ہے، دنیا کو غلط میل ملاپ اور ناجائز اختلاط سے محفوظ کرکے ایک پاکیزہ اور ستھرا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے، اور ایسی قوم کی افزودگی چاہتا ہے جو اس روئے زمین پر اپنے اصلی خالق و مالک کا نام لے اور اس کی بندگی کرے، قرآن کریم میں فرمایا گیا ''تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں بھائیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیوی کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔'' (النساء آیت ۳ پ ۴)۔

جنس موافق کیساتھ شادی اور مباشرت اسلام اور اخلاق دونوں کے منافی ہے

اس آیت میں مردوں کو نکاح کا حکم دیا گیا ہے کہ تم اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو، اس کا صاف مطلب ہوا کہ اسلام مرد کا مرد یا عورت کا عورت سے اختلاط کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مرد وعورت کے درمیان ہی نکاح اور مباشرت کا عمل جائز ہوگا، اس آیت میں نکاح کی تعداد بھی مقرر فرمادی کہ اگر کوئی مرد وسعت رکھتا ہے اور اپنی بی بیوں کیساتھ انصاف اور عدل کرسکتا ہے تو چاہے تو بیک وقت ایک سے زائد دو، تین یا چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے لیکن اگر اُن کے درمیان انصاف نہیں کرسکتا تو اُسے ایک سے زائد نکاح نہیں کرنا چاہیے۔

دیندار عورت سے نکاح کرو

حدیث شریف میں فرمایا گیا ''عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اُس کے

مال کے سبب سے کہ عورت کی وجہ سے مال ملیگا، اور اس کے خاندان کی عزت و وجاہت کے سبب سے، اور اُس کے حسن کے سبب سے، اور اُس کی دینداری کی وجہ سے تو تم دین والی کو اختیار کرو۔ تمہارا ہاتھ اللہ غنی کرے۔'' (المنتقیٰ من حدیث المصطفی للدکتور بشّار عوّاد معروف جامعة صدام للعلوم الاسلامية بغداد)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوگیا کہ لوگ کن وجہوں سے کسی عورت سے شادی کرتے ہیں اور اس بابت اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اُس کی حدیث میں صراحت کردی گئی کہ اسلام میں جو شادی سنت ہے وہ خالص دینی اور روحانی رشتہ ہے، اسلام نے نکاح کو فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مسنون و مروج فرمایا ہے نہ کہ حصول مال و زر کے لئے، افسوس کی بات ہے کہ غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی آج مسلمان معاشرہ میں وہ بُرائیاں اور جاہلانہ رسمیں داخل ہوگئیں ہیں جنکا اسلام سے دور دور تک نہ کوئی رشتہ ہے نہ علاقہ، بلکہ اُن بدعات کے لئے کسی مہذب سماج میں کوئی جگہ نہیں ہوسکتی، آج شادی کو مسلمانوں نے اپنے غلط طور طریقوں کے ذریعہ غمی میں تبدیل کرلیا ہے، ایک سنت کی تعمیل کے لیے نہ معلوم کتنے محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں، شادی کے نام پر نہ جانے کتنے ایسے لڑکی والے ہیں جنکا کاروبار تباہ ہوجاتا ہے، زمین و مکان تک بک جاتا ہے، کتنے ماں، باپ اپنی بیٹیوں کے سامان جہیز نہ مہیا کرپانے کے غم میں موت کو گلے لگا لیتے ہیں، بہت ساری اسلامی شہزادیاں اپنے ماں باپ کا غم نہیں برداشت کرپاتیں اور نتیجۃً خودکشی کرلیتی ہیں۔ وقت پر نکاح نہ ہونے کے سبب بہت سے لڑکے لڑکیاں برائیوں اور بے حیائیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

سوچو مسلمانوں اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا وبال کس کے سر ہوگا؟ اسلام کی آمد سے قبل لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا، انہیں معاشرے میں ایک عام زندگی گذارنے کا حق نہیں تھا، بیٹی کا وجود باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا، بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے لیے سماج میں کوئی جگہ نہیں تھی، مظلوم بیٹیوں کی آہوں، جنم دینے والی ماؤں کی نظروں کے سامنے اُن کی گود کا سونا ہونا اور اس کے باعث اُن دھڑکتے دلوں کی فریاد سننے والا مکۂ مکرمہ کی سرزمین پر شفقت و رحمت کا پیکر مجسم بن کر مبعوث ہوا، جسے

قرآن نے رحمۃ للعالمین کہا، بلا شبہ اس محسن انسانیت، پیکر عفو وکرم، مسیحائے قوم نے بگڑے ہوئے لوگوں کے قلوب کوانوار وتجلیات کی جلوہ گاہ بنا دیا، بے راہ رولوگوں کومعلم ورہنما بنا دیا، یہ اُسی امّی لقبی غمخوار ومونس پیغمبر کی تعلیمات کا اثر ہے کہ دنیا کی ہرقوم اور سماج میں عورتوں کومساویانہ حقوق مل رہے ہیں، لیکن جہیز کی شکل میں ایک مہلک بیماری نے وبا کی شکل اختیار کرلی ہے۔ جس سے مسلم معاشرہ تباہ و برباد ہورہا ہے، جہیز کا مطالبہ کرنے والے کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کی بھی بیٹیاں، بہنیں ہیں، کم ازکم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے واسطے اپنی ہونے والی بی بیوں کے گھر والوں پر رحم کھائیں، قرآن میں نکاح کا حکم ہے لیکن جہیز کا کوئی ذکر نہیں، سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کیا تو آپ نے ضرورت کی کچھ چیزیں جو دنیوی اعتبار سے بہت معمولی ہیں سرکار نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیا، جہیز میں جو سامان حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو دیا اس کی تفصیل یہ ہے، ایک کملی، بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا گدّا جسمیں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔'' (سیرت المصطفیٰ ص ۱۹۰)

(نوٹ: حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کوئی چیز معمولی نہیں ہوسکتی، مضمون میں معمولی کا استعمال اشیاء کے لیے دنیاوی اعتبار سے کیا گیا ہے۔) غور کریں جو چیزیں حضور نے دیں وہ سب گھریلوضرورت کی اور معمولی تھیں، اس میں کوئی ایسا سامان نہیں تھا جو خاص حضرت علی کے لیے ہو، اس سے سمجھ میں آ گیا کہ دولہا کو قیمتی اشیاء دینا سنت نہیں بلکہ رواج ہے اور ایسا رواج کہ جس سے معاشرہ برباد ہورہا ہے، بیٹی کو ضرورت کے سامان دینا سنت ہے لیکن ضرورت اور مفاخرت میں بڑا فرق ہے۔ آج کل ہر آدمی نام ونمود کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک چیزیں جہیز میں دیتا ہے، حالانکہ اُسے نہیں معلوم کہ فخر ومباہات اور ریا وسمعہ کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں، بلا مطالبہ بیٹی کو ماں، باپ کی طرف سے اگر کوئی چیز دی جائے تو اسمیں کوئی حرج نہیں، لیکن آج کے حالات میں غیر ضروری سامان دینا برائیوں کوفروغ دینے کے مرادف ہے، جو کسی عورت سے بوجہ اس کی عزت کے نکاح کرے اللہ اس کی ذلت میں زیادتی کریگا، اور جو کسی عورت سے اس کے مال کے سبب نکاح کریگا اللہ تعالیٰ اس کی

محتاجی ہی بڑھائیگا اور جو اس کے حسب کے سبب نکاح کریگا تو اس کے کمینہ پن میں زیادتی فرمائیگا اور جو اس لئے نکاح کرے کہ ادھر ادھر نگاہ نہ اُٹھے اور پاک دامنی حاصل ہو یا صلہ رحمی کرے تو اللہ عزوجل اس مرد کے لئے اس عورت میں برکت دیگا اور عورت کے لئے مرد میں (بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۷ بحوالہ الطبر انی عن انس رضی اللہ عنہ تعالیٰ، کذا فی الفتح)۔ اگر لڑکا نکمّا اور کاہل ہے تو جتنا جہیز دیدو وہ ترقی نہیں کرسکتا، آج تم نے اُسے قسم قسم کی چیزیں دیکر اُس کی عادت خراب کردی ہے اب وہ ہمیشہ تمہاری طرف للچائی نظروں سے دیکھے گا، نکاح کے عوض صراحۃً یا بہانہ بنا کر مال کا مطالبہ کرنا، گاڑی، فرنیچر، من پسند کپڑے، پورے خاندان والوں کے لیے قیمتی تحائف اپنی مرضی کا کھانا مانگنا بھیک منگی کا اتنا اعلیٰ معیار کہیں دیکھنے کونہیں ملتا، اسے لوگ عزت ووقار کا مسئلہ بنائے ہوئے ہیں حالانکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ذلت ورسوائی کا سبب ہے، زبردستی مطالبۂ جہیز شریعت کی نگاہ میں حرام وناجائز اور حاصل شدہ مال اور نام کے تحفے سود بیاز کی طرح ہیں۔

مسلمان بیٹیوں اور بہنوں کی خاطر سوچو اور غور کرو کہ اگر کل تمہارے پاس اتنی وسعت نہ رہے اور تمہارا داماد یا بہنوئی اگر تم سے گاڑی وقیمتی اشیاء کا مطالبہ کرے تو تم پر کیا گذرے گی، تمہاری بہن بیٹیوں کا کیا حال ہوگا۔

کتنے بے غیرت ہیں وہ لوگ جو جہیز حاصل کرنے کے لئے شادی کی تاریخ نہیں رکھتے، دن بڑھاتے رہتے ہیں تاکہ مجبور ہوکر لڑکی کا باپ زیادہ سے زیادہ مال دے، کوئی کہتا ہے کہ ہمیں نہیں چاہئے دولہا کی اماں کی یہ خواہش ہے۔ دولہا کی بہن کی یہ فرمائش ہے تو دولہا کے بہنوئی اور بھائی کی یہ مانگ ہے اب سوچو کیا یہ کسی شریف آدمی کا طریقہ ہے یہ تو بالکل فقیروں اور مسکینوں کا گھرانہ ہے۔ یہ بیٹیاں اللہ کی رحمت اور تمہارے لئے محبت وتسکین کا سامان ہیں۔ ان نازک آبگینوں کو اس طرح ستانے، صدمہ پہنچانے میں تمہیں حیا نہیں محسوس ہوتی، اور قہر الٰہی سے ڈر نہیں لگتا۔ شادی سنت ہے اپنے غلط رسم ورواج اور مفسد طریقوں سے حرام اور گناہ کا ارتکاب کیوں کرتے ہو، شادی کو زحمت اور مصیبت نہ بننے دو، شادی سادگی میں ہے، ہوسکے تو اپنے بچے بچیوں کا نکاح مسجد میں کرو۔

شادی نام ہے مسلمان لڑکا اور لڑکی کا دو گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کا۔

گاڑی، باراتی، فرنیچر ایک سے بڑھ کر ایک زیورات اور نفیس سے نفیس تر تحائف اور شاہانہ دعوتوں کا نام شادی نہیں، اگر شادی ان لوازمات کا نام ہوتی تو آج اتنی طلاقیں نہیں ہوتیں، اتنے گھر نہیں تباہ ہوتے، شادی بیاہ کے مقدمے دنیا کی انگریزی عدالتوں میں نہیں لڑے جاتے۔

مسلمانوں!

اس سماج کو جہیز کی بیماری سے پاک کرو، نکاح کرو مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق تاکہ نکاح تمہارے لیے خیر وبرکت کا ذریعہ بنے۔

مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو برائیوں اور خلاف شرع باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مسائل

یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہو جائے گا تو نکاح کرنا فرض ہے، شہوت کا غلبہ ہے کہ نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ زنا کا اندیشہ ہے اور مہر ونفقہ کی قدرت رکھتا ہے تو نکاح کرنا واجب ہے، اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان ونفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں اُن کو پورا نہ کر سکے گا تو نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر یقین ہے کہ زوجیت کا حق ادا نہیں کر پائیگا تو نکاح کرنا حرام ہے لیکن نکاح کرے گا تو ہو جائیگا۔ اعتدال کی حالت میں کہ نہ شہوت کا غلبہ ہے نہ نامرد ہے اور خرچ برداشت کر سکتا ہے تو اس صورت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے (بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۶-۷)

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے

نکاح سے عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے، اسی پابندی کے اُٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں، اس کیلئے شریعت میں کچھ الفاظ مقرر ہیں جنکے کہنے یا لکھنے سے عورت نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، جبکہ لکھنے سے مراد اپنی بیوی کو طلاق دینا ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! کوئی چیز اللہ نے غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ روئے زمین پر پیدا نہیں کی اور کوئی شئے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہ کی، حضرت ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔ (بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۶ مطبع فرید بکڈپو دہلی)۔

عورت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا

نکاح کے ذریعہ شوہر اور بیوی کے درمیان ایک مخصوص رشتہ اور تعلق قائم ہوتا ہے، لیکن زندگی میں کچھ ایسے مواقع آتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کا ایک ساتھ رہ پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کی زندگی ایک گھٹن اور پریشانی بن جاتی ہے، ایسے حالات میں انسان کی فطرت اور مزاج کا تقاضہ ہے کہ علیحدگی اختیار کی جائے، اس لیے کہ ان حالات میں ساتھ رہنا دشوار ترین ہوتا ہے، ایسے حالات جب

پیدا ہو جائیں تو شوہر کو اجازت ہے کہ وہ اپنی بیوی کو آزاد کر دے تا کہ دونوں اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گذار سکیں، اس لیے کہ شوہر اور بیوی کا مزاج اگر بالکل ہی نہیں ملتا ہو، یا بیوی بدچلن ہو، یا شوہر نامرد ہو یا بیوی نماز وروزہ کی پابند نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ازدواجی زندگی کا سفر طئے کر پانا بہت مشکل ہے، عورت بالغہ کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح منعقد نہیں ہوسکتا۔ یعنی نکاح کے واقع ہونے کے لئے عورت کی منظوری اور اجازت لازمی ہے، لیکن طلاق کے واقع ہونے کے لیے عورت کی مرضی یا اجازت کی شرط نہیں۔ بغیر عورت کی مرضی کے بھی دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی۔

نشہ یا غصہ میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے

شوہر اکیلے میں زبان سے بول کر یا تحریر کے ذریعہ یا فون پر یا نیٹ کے ذریعہ حتی کہ نشہ کی حالت میں کسی بھی طرح طلاق دیتا ہے تو طلاق ہو جائے گی، نیت ہو یا نہیں، غصہ کی حالت میں ہو یا خوشی میں یا بطور مذاق طلاق ہر طرح ہو جاتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس معاملے میں بہت ہوش سے کام لینا چاہئے، طلاق کی مثال بندوق کی گولی کی طرح ہے نکل گئی تو کام کرے گی، طلاق کی تین قسمیں ہیں ایک **طلاق رجعی** یعنی شوہر کہے کہ میں نے ایک طلاق دیا، یا دو طلاق دیا، یا ایک طلاق دیتا ہوں تو یہ رجعی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت کے درمیان شوہر و بیوی رجوع کر لیں تو نکاح کی ضرورت نہیں ہے (رجوع کے لئے عورت کی اجازت کی شرط نہیں ہے) لیکن عدت گذر جانے کے بعد عورت نکاح سے خارج ہو جائے گی بغیر نکاح کے نہیں لوٹا سکتے، دوسری قسم **طلاق بائن** ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت فوراً نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، اگر شوہر و بیوی راضی ہوں تو دوبارہ نئے دین مہر کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، تیسری قسم **طلاق مغلظہ** ہے، یہ طلاق کی سب سے بُری قسم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے یکبارگی تین طلاقیں دیں یعنی ایک طلاق دو طلاق تین طلاق یا یہ کہ اس طرح کہے یا لکھے کہ میں نے تین طلاق دیا، یا کئی مہینوں یا کئی سالوں میں ایک ایک کر کے تین طلاق دیا، چاہے پاکی کی حالت میں یا حیض کی حالت میں یا حمل کی حالت میں ہر حال میں طلاق ہو جائے گی۔ تین طلاق دینے سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے، اس کے بعد کوئی راستہ نہیں رہ جاتا، طلاق دینے کے بعد حیلہ بہانہ کرنے یا جھوٹ بولنے یا افسوس کرنے

سے کوئی فائدہ نہیں، آپ مفتی اور قاضی کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر اپنے خدا اور رسول کو کیسے دھوکہ دے سکیں گے اُن کے سامنے تو سب کچھ ظاہر ہے۔

تین طلاق دینے کے بعد اگر شوہر و بیوی پھر ایک ساتھ رہنا چاہیں تو اُن کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے ایک بڑی شرط اور سخت سزا رکھی ہے تا کہ لوگ تین طلاق سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

حلالہ تین طلاق دینے والے شوہر کے لیے سزا ہے

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے اور پھر دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو بس ایک صورت ہے وہ یہ کہ عورت عدت گذارے، طلاق والی عورت کی عدت یہ ہے کہ تین حیض تک اپنے کو روکے رکھے، تین حیض کا زمانہ تین ماہ بھی ہوسکتا ہے اور اس سے کم اور زیادہ بھی ہوسکتا ہے، تین حیض کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرے اور وہ شوہر ہمبستری کرے پھر جب وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو پھر تین حیض تک عورت انتظار کرے اس کے بعد پہلا شوہر نئے دین مہر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، حلالہ تین طلاق دینے والے شوہر کے لیے ایک سزا ہے، اس لیے کہ کوئی بھی مرد اس بات کو پسند نہیں کریگا کہ وہ کسی ایسی عورت کو اپنے ساتھ رکھے جو پہلے کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہ چکی ہے، یہ مسئلہ جاننے کے بعد کسی مرد کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے اور اگر تین طلاق دیتا ہے تو اپنی بیوی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگا اور اگر لوٹانا چاہتا ہے تو اپنی بے غیرتی کا مظاہرہ کرے اور حلالہ کے بعد اس عورت کو لوٹائے جو پہلے دوسرے کے ساتھ رہ چکی ہے، شریعت نے حلالہ کی شرط رکھکر طلاق کے بیجا استعمال سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی ہے، حلالہ کی وجہ سے بہت سارے مرد ڈرتے ہیں تین طلاق دینے سے ورنہ سزا بھگتتے ہیں اگر یہ سزا مقرر نہ ہوتی تو لوگ طلاق کو مذاق بنا لیتے۔

تین طلاق کا مطلب تین ہے

تین کو ایک بتانا زنا کو عام کرنا ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاق واقع نہیں ہوئی یا واقع ہوئی ہے تو ایک، یہ غیر مقلد وہابیوں کا مسلک ہے، تین طلاق کے وقوع کو نہ ماننا یا تین کو ایک سمجھنا قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے، ساتھ ہی عقل و دانش کے بھی خلاف ہے، ایسا مسئلہ بیان کرنے والے مسلمان معاشرہ میں زنا اور حرام کاری کو عام کرنا چاہتے ہیں، اللہ ورسول کا کرم ہے کہ مسلمان مرد وعورت یہود ونصاریٰ اوران کے آلہ کار وہابیہ کے ہزار بہکاوے کے باوجود اسلام کے صحیح مسلک پر عمل کررہے ہیں، اخبار اور ٹیلی ویزن کے ذریعہ بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر مسلمان اپنے خدا اور رسول کے فرمان پر ڈٹا رہا اوران کی آزادی وبے راہ روی وحرام کاریوں سے اپنے کو بچائے رکھا۔

غور کرو مسلمانوں! اگر ایک طلاق ایک ہوتی ہے، دو طلاق دو ہوتی ہے، تو پھر کون سا ایسا قاعدہ ہے کہ تین طلاق تین نہ ہو، یا تین طلاق ایک ہو جائے اور اگر بفرض محال یہ مان لو کہ تین طلاق کا مطلب وہابیوں کے لئے ایک ہوتا ہے، تو جو مرد تین طلاق دینا چاہتا ہو، یا جو عورت تین طلاق چاہتی ہو تو وہ کیا کریں، ان کے فارمولے کے مطابق وہ ایک وقت میں نو طلاقیں دیں، یا تین بار تین تین طلاقیں دیں، تو ہر بار ایک پڑے گی اوراس طرح تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

اخباری کالم نویس، فلمی ہیرو، ہیروئین اور غیر مسلموں کے کاسہ لیس مسلم لیڈر شریعت اور دین کے مسائل سے ناواقف ہیں

آج کل جہاں یہود ونصاریٰ و بہت سارے غیر مسلمین، اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں وہیں بعض آزاد خیال مسلم لیڈر، نام نہاد صحافی اور شبانہ اعظمی و جاوید اختر جیسے لوگ جو اسلام اور شریعت سے بالکل نابلد اور بے بہرہ ہیں، وہ بھی اسلامی قوانین کا مذاق اُڑاتے ہیں، جبکہ حکومتوں اور عدالتوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتیاں ہوتی ہیں، اسلام میں مداخلت ہوتی ہے، تو یہ بزدل صحافی اور مفاد پرست مسلم لیڈر اپنے پنجڑوں میں دُبک جاتے ہیں۔

ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان یہ جانے کہ صحیح کیا ہے غلط کیا ہے! اسلام ہرگز ہرگز بلاوجہ طلاق کی نہ اجازت دیتا ہے اور نہ اس عمل کو پسند کرتا ہے، طلاق کا عمل ان ناگزیر حالات کے لئے ہے جبکہ شوہر و بیوی کا ایک ساتھ رہ پانا دشوار ہو، ایسی صورت میں طلاق کی اجازت ہے، اِسے کوئی بھی صالح مزاج انسان انکار نہیں کرسکتا، آئے دن عورتیں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں گویا کہ طلاق کا عمل صرف مرد کی ضرورت یا بدمزاجی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ عورت کی ضرورت بھی ہے اور دو خاندانوں اور معاشرے کی بھلائی کا ذریعہ بھی۔

اب رہا یہ کہ تین طلاق تو شریعت نے یہ نہ کہا کہ کوئی مرد تین طلاق دیکر مصیبت کو گلے لگالے، شریعت نے طلاق کی بہتر صورتیں بتائیں جنہیں رجعی اور بائن کہتے ہیں اوراگر شوہر کو یقین کامل ہو کہ ہمیں اس رشتے کو رکھنا ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں تین طلاق کا استعمال اس طور پر کرے کہ عورت کو اُن دنوں میں جنمیں عورت پاک ہو اور شوہر نے اُن میں وطی بھی نہ کی ہو ایک ایک کرکے طلاق دے۔

لیکن بفرض محال اگر کوئی شخص تین طلاق دیتا ہے تو ضرور ضرور شریعت میں وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ کسی مفتی یا امام کا فتویٰ اور رائے نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے، جس کے رد کرنے کا اختیار اللہ نے کسی کو نہیں دیا ہے نہ کسی بورڈ کو نہ کسی دار العلوم و دار الافتاء وقضا کو اور اگر کوئی قرآن کے الفاظ واحکام میں تبدیلی چاہتا ہے تو معاذ اللہ وہ دین سے خارج اور اسلام کا دشمن ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے:-

ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَأۡخُذُواْ مِمَّآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ شَيۡـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِۖ فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا ٱفۡتَدَتۡ بِهِۦۗ تِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعۡتَدُوهَاۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ٢٢٩

رجعی طلاق دو بار تک ہے، پھر بھلائی کیساتھ روک لینا ہے یا اچھے ڈھنگ سے چھوڑ

دینا ہے، اور تم مردوں کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا تھا اس میں سے کچھ واپس لو، مگر جب دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو اُن پر کچھ گناہ نہیں، اس میں جو بدلہ دے کر عورت طلاق لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۲۹ پ۲ ترجمہ کنزالایمان۔)

اس آیت میں اس بات کی واضح طور پر صراحت کی گئی ہے کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ چاہے جتنی طلاقیں دیں یا جتنی بار دیں اس کے بعد رجوع کر لیں یہ صحیح نہیں ہے، رجوع کی مقدار بس دو طلاق تک ہے یعنی ایک طلاق دیا۔ یا دو طلاق دیا، یا ایک طلاق دیا پھر عدت کے اندر رجوع کر لیا پھر کبھی کسی سبب سے ایک طلاق دیا تو چاہے تو بیوی کی مرضی کے بغیر بھی عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گذر گئی تو عورت کی اجازت کے بغیر دوبارہ اُس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ رجوع اس غرض سے نہ کرو کہ عورت کو نکاح میں واپس لیکر ستائیں گے بلکہ نیت اچھی ہو، ایک بہتر زندگی گذارنے کے ارادے سے رجوع کرو اور اگر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تو عدت گذر جانے دو اور اچھے ڈھنگ سے عورت کو آزاد کر دو یعنی اس کے حقوق اسے دیدو، جہیز کے سارے سامان واپس کر دو، دین مہر ادا کر دو۔ یہاں ایک مسئلہ خُلع کے تعلق سے بھی بیان کیا گیا ہے کہ:-

شوہروں کی طرف سے جو چیزیں بیویوں کو دی جاتی ہیں اُسے شوہر واپس نہ لیں، اس لئے کہ ایک تو عورت کے لیے طلاق کا صدمہ اور دوسرا یہ کہ ہاتھ میں جو مال وجائداد تھی وہ واپس چلی جائے تو ظاہر ہے یہ دو دو صدمے عورت کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ اسلام کا احسان ہے ہماری ماؤں اور بہنوں پر کہ میاں بیوی کے اختلاف کے

موقع پر بھی اسلام مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کی تلقین کر رہا ہے جبکہ دیگر مذاہب اور اقوام وملل کے لوگ بوقت اختلاف اپنے مخالف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، یہ اخلاقی اور مروت بھرا حکم اسلام مخالفین کے منہ پر زور کا طمانچہ ہے۔

خُلع کا مسئلہ یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کیساتھ کسی سبب سے رہنے پر راضی نہیں ہے، ممکن ہے شوہر نامرد ہو، بدصورت ہو، خاندانی معیار پہ نہ اترتا ہو، جاہل گنوار ہو، اوباش وآوارہ ہو، بے نمازی اور دین سے دور ہو، اخراجات کی ذمہ داری نہ نبھاتا ہو، بلاوجہ مار پیٹ کرتا ہو، یا اور کسی وجہ کر عورت علیحدگی چاہتی ہے اور شوہر طلاق نہیں دے رہا ہے یا نہیں دینا چاہتا ہے ان صورتوں میں عورت اپنا مہر معاف کر دے، یا کچھ رقم دے یا جو چیزیں شوہر نے پہلے اُسے دی تھیں اُنہیں واپس کر دے تاکہ وہ مال کے سبب طلاق دینے پر راضی ہو جائے اور طلاق دیدے۔ وہیں یہ خیال رہے کہ طلاق ہر حال میں شوہر ہی دیگا، خواہ طلاق کی صورت میں یا خلع کی صورت میں فرق بس اتنا ہے کہ طلاق شوہر اپنی مرضی سے دیتا ہے اور خلع میں عورت کے مطالبے پر کچھ مال کے بدلے میں دیتا ہے بہرصورت طلاق کا اختیار شوہر ہی کو اسلام نے دیا ہے۔

حکمت: عورت طلاق نہیں دے سکتی

بعض لوگوں کی رائے میں عورتوں کو بھی طلاق دینے کا حق ملنا چاہئے تھا جو کہ اسلام نے نہ دیکر معاذ اللہ ناانصافی کی۔

افسوس ہے ایسی ذہنیت کے لوگوں پر، سوچو!

اسلام نے صرف مردوں کو (جو عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ متحمل اور قوت برداشت کے حامل ہوتے ہیں)۔ طلاق کا اختیار دیا ہے تو معاشرے میں اس قدر طلاق کی وارداتیں ہو رہی ہیں اور اگر عورتوں کو بھی طلاق کا اختیار رہتا تو جس طرح عورت بات بات پر آنسو بہاتی ہے اُسی طرح بات بات

پر طلاق بھی دیدیتی، ایسی صورت میں کسی عورت کو اس کا شوہر تنہا اپنے گھر میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاتا نہ اپنے مال ومتاع کا محافظ بناتا کہ نہ معلوم کب اس کا دماغ خراب ہو اور خود طلاق دے اور سارا مال لیکر کسی اور کی ہوجائے۔

اب وہ مسئلہ قرآن کی زبان میں پڑھو جو بڑے بڑے سروالوں کے چھوٹے سے دماغ میں نہیں سماپاتا کہ تین طلاق کے بعد حلالہ کی کیوں ضرورت پڑتی ہے، اور تین طلاق تو ہوتی ہی نہیں۔ درحقیقت اس طرح کا خیال رکھنے والے اسلام وشریعت کے دشمن ہیں۔ تین طلاق کا فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی یا کسی مسلک کے مفتی وعالم کا دیا ہوا نہیں ہے یہ فتویٰ قرآن نے دیا ہے، اس لئے کہ اللہ علیم وخبیر ہے وہ جانتا تھا کہ ایک دور ایسا آئے گا جسمیں مخبوط الحواس لوگ اعتراض کریں گے اس لئے قرآن نے پہلے ہی اُن کا جواب دیدیا۔

فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر اگر وہ دوسرا اُسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں، اگر سمجھتے ہیں کہ اللہ کی حدیں نبھائیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے۔ (سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۳۰ پ ۲)

یہاں وضاحت کردی گئی کہ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق کوئی دیتا ہے تو اب مراجعت کی یہی صورت ہے کہ وہ عورت پہلے دوسرے سے نکاح کرے پھر جب وہ طلاق دے تو عدت کے بعد پہلا شوہر اس سے نئے مہر کے ساتھ نکاح کرے۔

لہٰذا مسلمانوں کو خوب غور کرنا چاہئے، اپنی ازدواجی زندگی اور ساتھ ہی اسلام وسنت کا

مذاق نہیں بنانا چاہئے، طلاق سب سے خراب عمل ہے، اللہ ورسول کو ناپسند ساتھ ہی خاندان اور بیوی بچوں کے لیے پریشانی کا سبب ہے، شوہر وبیوی کی نااتفاقی کے سبب بچوں کی زندگی برباد ہو جاتی ہے اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں جس سے طلاق تک نوبت آئے، اپنے ساس، سسر اور شوہر اور شوہر کے رشتہ داروں کو ماں، باپ اور رشتہ دار سمجھیں، اس لئے کہ سسرال ہی اب اُن کا اپنا گھر ہے۔

زیادہ تر طلاق کے واقعات کے پیچھے شوہر کا بیوی سے ناراض ہونا ہوتا ہے اس لئے بیوی کو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ شوہر کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے نیز شوہر کو بھی چاہئے کہ وہ بیوی کے حقوق اور ضرورتوں کا خیال رکھے اور اس کی پریشانیوں کو سمجھے، ازدواجی زندگی کی بربادی کے اسباب میں سے اہم سبب ساس اور نندوں کی غیر ضروری کاٹ چھانٹ اور بیجا مداخلت بھی ہوتی ہے، اس لئے ساس کو ہمیشہ یہ سمجھنا چاہئے کہ بہوئیں ہی اب اس کی بیٹیاں ہیں۔

ان باتوں پہ اگر دھیان دیا جائے تو طلاق کی لعنت سے کسی حد تک بچا جا سکتا ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ غصہ اور نشہ کی حالت میں طلاق نہیں ہونی چاہئے، یہ سرے سے جہالت والی بات ہے، ظاہر ہے کوئی شوہر خوش ہوکر تو کبھی طلاق دیتا نہیں اور اگر کہیں ایسا ہوتا ہو کہ خوش ہوکر لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے ہیں تو شاید وہ پاگلوں کی بستی ہوگی، جنہیں خوشی اور غم کے مفہوم اور ثمرات کا علم نہیں ہے، رہی بات نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کی تو اس کی مثال یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں آپ کسی کو گولی مار دیں، یا اپنی بہن یا بیٹی یا کسی کی بیوی کیساتھ زنا کرلیں، تو کیا اس سبب سے لوگ آپ کو چھوڑ دیں گے کہ آپ نے نشہ کی حالت میں ایسا کیا ہے، یا وہ عورتیں یہ کہیں گی کہ نہیں ہمارے ساتھ تو کچھ ہوا ہی نہیں اس لئے کہ بھائی جان اس وقت ہوش میں نہیں تھے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

نہیں بلکہ ایسے شخص کو دو سزائیں دی جائیں گی ایک تو نشہ کرنے کی اور دوسری اس ذلیل حرکت کی۔ ٹھیک یہی مثال ہے نشہ کی حالت میں طلاق کی، جس طرح نشہ کی حالت میں زنا کرنے سے عورت کی آبرو لُٹ جاتی ہے یا گولی مارنے سے آدمی مرجاتا ہے اُسی طرح طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے۔

اللہ رب العزت مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اور دین وسنت کا عالم اور عامل بنائے آمین یا رب العالمین۔

نوٹ:مسلمانوں کو اس فتنے اور آزادی کے دور میں کوشش کرنی چاہیئے کہ بہر صورت ہمارا تعلق اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وشریعت مطہرہ سے قائم رہے ورنہ شیطان مختلف صورتوں میں حملہ آور ہوتا ہے اور ہر لمحہ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا ایمان برباد اور عمل ضائع کر دے۔

اس دور میں میڈیا، ٹیلی ویژن اور آزاد خیال، بے بہرہ لوگوں کا دور دورہ ہے وہ نت نئے طریقوں سے شریعت کی تحقیر کرتے ہیں، علماء کا مذاق اُڑاتے ہیں بے حیائی، بے پردگی اور بدعقیدگی کو عام کرنے کو انسانیت کی خدمت سمجھتے ہیں۔

جوا اور شراب کی بُرائیاں

جوا اور شراب کا استعمال اسلام میں حرام اور ناجائز ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی حرمت اور ممانعت اپنی جگہ مسلم اور قطعی ہے، ویسے بھی کوئی مہذب اور شریف انسان جوا اور شراب کو اچھا نہیں سمجھتا، اس لیے کہ ان کے نقصانات سب پر عیاں ہیں، ہر چھوٹا بڑا خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ جوا آدمی کو کاہل اور بھیک منگا بنا دیتا ہے اور شراب نوشی غیرت وحمیت اور عزت وشرافت کو ختم کر دیتی ہے، اسلام نے جن چیزوں سے مسلمانوں کو منع کیا ہے یا جسے حرام فرمایا ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہ چیزیں انسانی وجود کیلئے ضرر رساں تھیں، اُن کا استعمال انسان کے لیے مفید نہیں تھا بلکہ وہ نقصانات سے بھری ہوئی تھیں۔

اسلام سے پہلے عربوں میں شراب کی عادت عام تھی، ابتدائے اسلام میں بھی لوگ شراب پیتے تھے، شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً دیا گیا تا کہ جو لوگ اس کے عادی اور شوقین تھے اُن پر شاق نہ گذرے اس لیے علیم وخبیر اور دانا وحکیم خدا نے رفتہ رفتہ اس بُرائی پر پابندی عائد کی۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ''تم سے شراب اور جوے کا حکم پوچھتے ہیں، تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے (البقرۃ ۲ آیت ۲۱۹، پ۲)

شروع میں قرآن نے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں شراب اور جوے کی مذمت کی ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں لیکن وہ فائدے نقصان کے مقابلہ بہت کم اور معمولی ہیں۔

اس ابتدائی حکم نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا اور اہل عقل و دانش پر قدرے یہ بات واضح ہوگئی کہ عنقریب ہی شراب اور جوا کی حرمت کا حکم نازل ہونے والا ہے، شراب کی حرمت کی یہ آیت تمہید تھی، اس کے بعد فرمایا گیا ''اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ'' (النساء۴، آیت ۴۳۔)۔

شراب کی حرمت کے اصل دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ شراب عقل کو زائل کرنے والی ہے اور دوسرا یہ کہ مال کو ضائع کرنیوالی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے کہ اس کا قطعی اور یقینی حکم بیان فرمائیں۔ حضرت عمر بن خطاب کی طبیعت قرآنی منشاء کے موافق واقع ہوئی تھی اسی لئے نزول حرمت سے پہلے ہی حضرت عمر شراب کے حرام فرمانے کی التجا کرتے تھے۔ (کنزالایمان نومبر ۲۰۰۳ء)

گذشتہ دو آیتوں میں شراب کی جس انداز میں بُرائی بیان کی گئی تھی، اُس کے مناسب اثرات مرتب ہوئے، لوگوں کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ شراب غیر مفید اور نقصان دہ چیز ہے اور اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

بدلتے حالات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ شراب کا یقینی حکم بیان کیا جائے، غزوۂ احزاب کے بعد ۳ رہجری میں شراب اور جوا کی حرمت کا حکم نازل ہوا، فرمایا گیا ''اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور تیروں سے فال نکالنا یہ سب ناپا کی ہیں، شیطان کے کاموں سے ہیں، ان سے بچو تا کہ فلاح پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے اندر عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔'' (سورۃ المائدۃ۵، آیت ۹۰-۹۱)

اس حکم کے نازل ہوتے ہی مدینے کی نالیوں میں شراب بہنے لگی، لوگوں نے شراب کے برتن، مٹکے اور پیالے توڑ ڈالے اور شراب سے اس طرح نفرت کرنے لگے کہ جیسے اس چیز سے کبھی اُن کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہو، یہ قرآنی دعوت کا اعجاز تھا، آج بھی مسلمان شراب سے بے حد نفرت کرتا ہے اور

اس نفرت کی وجہ بس یہی ہے کہ اللہ و رسول نے منع کر دیا ہے سوائے ان کے جو غلط صحبت میں پڑ گئے ہیں یا مذہب و ملت سے بالکل نابلد اور ناواقف ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر جائے پھر اس جگہ منارہ بنایا جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں۔ اور اگر دریا میں شراب کا قطرہ پڑے پھر دریا خشک ہو اور وہاں گھاس پیدا ہو اس میں اپنے جانوروں کو نہ چراؤں۔ (خزائن العرفان۔)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفۂ راشد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو شراب سے کتنی نفرت تھی، اب کیسے کوئی مسلمان شراب کے قریب جا سکتا ہے، جسے ذرہ برابر بھی اللہ کا خوف اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا اور علی مرتضیٰ سے محبت ہوگی وہ شراب کو اپنے ہونٹوں سے نہیں لگائے گا۔

شراب میں فائدہ ہے لیکن نقصان زیادہ ہے

قرآن میں بتایا گیا کہ شراب میں لوگوں کے لیے کچھ فائدے ہیں چونکہ ایسا ہی شراب کے شوقین لوگوں کا خیال تھا لیکن قرآن نے واضح کر دیا کہ فوائد کے مقابلہ نقصانات زیادہ ہیں، نفع تو یہی ہے کہ شراب سے کچھ سُرور پیدا ہوتا ہے، یا اس کی خرید و فروخت سے کچھ تجارتی فائدہ ہوتا ہے اور جوا سے کبھی مفت مال ہاتھ آتا ہے مگر گناہوں اور مفسدوں کا کیا شمار۔ عقل کا زوال، غیرت وحمیت کا زوال، عبادت سے محرومی، لوگوں سے عداوتیں، سب کی نظر میں خوار ہونا، دولت و مال کی اضاعت، ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل امین نے حضور پُر نور سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت جعفر طیار کی چار خصلتیں پسند ہیں، حضور نے جعفر سے دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ ایک تو یہ کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی یعنی حرام ہونے سے پہلے بھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے، اور میں چاہتا تھا کہ عقل اور بھی تیز ہو، دوسری خصلت یہ کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی کیونکہ یہ جانتا تھا کہ یہ پتھر نہ نفع پہنچا سکتے نہ نقصان، تیسری خصلت یہ کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا اس لئے کہ اس کو بے غیرتی سمجھتا تھا، چوتھی خصلت یہ کہ کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ میں اس کو کمینہ پن خیال کرتا تھا۔ (خزائن العرفان بحوالہ روح البیان)

شطرنج، تاش، آلۂ طرب حرام ہیں

اسی میں آگے ہے شطرنج تاش وغیرہ ہار جیت کے کھیل اور جن پر بازی لگائی جائے سب جوئے میں داخل اور حرام ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے مسلم سے انہوں نے سعید بن جُبیر سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جُوا، آلۂ طرب اور طبلہ حرام کیا۔ (مسند امام اعظم باب حرمۃ الخمر والقمار۔)

اسی میں ہے کہ یحیٰ سے روایت ہے کہ ابن مسعود کے پاس ایک شخص اپنے بھتیجے کو لایا جو مست تھا، اور نشہ کی وجہ سے اس کی عقل گُم تھی۔ آپ کے حکم سے اس کو قید کر دیا گیا، یہاں تک کہ جب اس کا نشہ اُترا اور سرمستی سے افاقہ ہوا، تو حضرت ابن مسعود نے کوڑا منگوایا اور اُس کا پھندنا کاٹ ڈالا پھر اس کو نرم کیا، اور جلاد کو بلایا، اس کو حکم دیا کہ اس کو ننگا کر کے زور سے چابک مار یحیٰ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود خود گنتے تھے جب اَسّی کوڑے ہوئے تو آپ نے اس کو چھوڑا، حضرت ابن عمر سے مروی ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز خَمر ہے یعنی شراب کے حکم میں ہے اور وہ حرام ہے۔

حضور نے فرمایا ہر نشہ والی چیز حرام ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے عہد کیا ہے کہ جو شخص نشہ پیئے گا اُسے جہنمیوں کا پسینہ اللہ تعالیٰ پلائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص شراب پیئے گا اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی، ایک حدیث میں ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور جوا کھیلنے والا اور احسان جتانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا، حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت کی، (۱) شراب بنانے والا (۲) بنوانے والا، (۳) پینے والا (۴) اٹھانے والا (۵) جس کے پاس اٹھا کر لائی گئی (۶) پلانے والا، (۷) بیچنے والا (۸) دام کھانیوالا (۹) خریدنے والا (۱۰) اور جس کے لئے خریدی گئی۔ (بہار شریعت حصہ نہم ص۵۲ مطبع فرید بکڈپو)

اب لوگ سوچیں اور غور کریں کہ شراب کتنی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے، پینے کا وبال کس قدر ہے، حضرت ابن مسعود نے اَسّی کوڑے شراب پینے کی جرم میں لگوائے۔

نشہ کی حالت میں اگر طلاق دیا تو بھی طلاق ہو جائے گی

شرابی شراب کے نشے میں سب کچھ بھول جاتا ہے، کبھی نالیوں میں پڑا ہوتا ہے، لوگوں سے نشہ کی حالت میں بدکلامی کرتا ہے، نشہ کے سبب ماں، بہن، بیٹی اور بیوی میں فرق بھول جاتا ہے، غصہ اور بدعقلی کے سبب اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے حالانکہ اُسے معلوم نہیں کہ نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس کی بیوی بلاوجہ نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ اکثر شرابیوں اور نشہ کرنے والوں کو دیکھا گیا کہ پیسے نہ رہنے کی صورت میں گھر کے سامان اور کپڑے تک بیچ دیتے ہیں، قرض مانگ کر پیتے ہیں، نشہ کی خاطر چوریاں تک کرتے ہیں، جواری جوا میں اپنا سب کچھ ہار جاتے ہیں۔

گھر میں بیوی بچے، ماں باپ ایک جواری یا شرابی کے سبب پریشان رہتے ہیں، اس کے سبب پورا گھر، خاندان اور اہل محلّہ پریشان ہوتے ہیں۔ شرابی اور جواری لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار رہتے ہیں۔ اے لوگو غور کرو کیا کبھی کسی شریف، باعزت کو شراب پیتے، بھنگ کھاتے، چرس اور افیم استعمال کرتے یا لاٹری کھیلتے دیکھا یا سنا ہے، نہیں اور ہرگز نہیں، سماج کا چاہے کوئی بھی طبقہ ہو ان چیزوں کو بُرا سمجھتا ہے، بہت سارے غیر مسلم بھی ان کے نقصانات کے سبب شراب وجوا سے بچتے ہیں، جس کے اس قدر نقصانات ہوں اور جس کے مرتکب کو اتنی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا ہو پھر کون ایسا دانش مند ہوگا جو ان بُرائیوں کا ارتکاب کریگا۔

نشہ حرام اور اس کا استعمال صحت کے لئے مضر ہے

اے لوگو! اس معاشرے کو شراب اور جوا کی لت سے آزاد کراؤ، شراب، افیم، بھنگ اور جتنی بھی نشیلی چیزیں ہیں صحت کے لئے سخت مضر ہیں، ان کے استعمال سے انسان مہلک امراض کا شکار ہوتا ہے اور جوا مفلسی کی طرف لے جاتا ہے، آج کل جوا کی نئی شکل لاٹری ہے جو سراسر ناجائز وحرام ہے، مسلمانوں تمہیں خدا اور رسول کا واسطہ ان بُرائی اور بےحیائی کی باتوں سے بچو اور اپنے دوست واحباب اور خاندان میں اگر کوئی ایسا شخص ہو تو اُسے شراب وجوا کی برائیوں سے آگاہ کرو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حرام وناجائز امور سے بچائے۔ آمین۔

تمسخر اور غیبت

کسی مسلمان مرد وعورت کا مذاق اُڑانا یا تحقیر کرنا سخت منع اور ناجائز ہے، اسی طرح مسلمان کی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا کبیرہ گناہ ہے، مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا اور نہ یہ چیز ان کے شایان شان ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں، بہنوں کا مذاق اُڑائیں، عیب جوئی کریں، اپنی طرف سے بُرا گمان کریں، یا پیٹھ پیچھے ایسی باتیں بیان کریں کہ جسے سنکر تکلیف پہنچے، قرآن وسنت اور کتب صوفیاء میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور گناہ عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ان گناہوں کا تعلق بندوں سے ہے، اور وہ حقوق جو بندوں سے متعلق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کے مرتکب کو معاف نہیں فرماتا جب تک کہ صاحب حق نہ معاف کردے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ

اے ایمان والو کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اُڑائے تعجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی ہنسی اُڑائے بعید نہیں کہ وہ ہنسنے والیوں سے بہتر ہو۔ (سورۃ الحجرات ۴۹ آیت ۱۱)

کسی کی غربت کا مذاق نہ بناؤ۔ یہ آیتیں بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئیں، بنوتمیم غریب صحابہ

حضرت عمار، حضرت خباب وبلال وصہیب وسلمان رضی اللہ عنہم پر ہنستے تھے اور اُن کی غربت وتنگدستی کا مذاق بناتے، بنوتمیم کو اُن کے اس عمل سے روکا گیا اور منع کیا گیا کہ کوئی مالدار کسی غریب کا کوئی عالی نسب غیر ذی نسب کی، اور تندرست اپاہج کی، اور آنکھ والا اندھے کیساتھ تمسخر نہ کرے اور نہ تحقیر کرے، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے وہ صدق واخلاص اور اعمال حسنہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بہتر اور لائق شرف ہوں۔ (خزائن العرفان از علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی)۔

طعنہ دینا اور بُرے ناموں سے پکارنا گناہ ہے

قرآن کریم میں خدائے وحدہ لاشریک ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ بِئۡسَ ٱلِٱسۡمُ ٱلۡفُسُوقُ بَعۡدَ ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن لَّمۡ يَتُبۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١١﴾

اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہوکر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ (سورۃ الحجرات ۴۹ آیت نمبر ۱۱۔)

یہ آیت کریمہ حضرت صفیہ بنت حُیّ رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی انہیں معلوم ہوا تھا کہ ام المومنین حضرت حفصہ نے حضرت صفیہ کو یہودی کی لڑکی کہا تھا یہ سنکر انہیں رنج پہنچا اور انہوں نے اس کی شکایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ نے ان کی تسلی فرمائی اور ارشاد فرمایا تو نبی کی بیٹی ہو اور نبی کی بیوی ہو اور حضرت حفصہ سے فرمایا تم خدا سے ڈرو۔

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَاب یعنی ایک مومن دوسرے مومن کو عیب نہ لگائے اور بُرے ناموں سے نہ یاد کرے، عیب جوئی کرنا اور اپنے مومن بھائی کو بُرے اور خراب ناموں سے پکارنا گناہ اور فسق ہے اور ایک مسلمان کیلئے فاسق کہلانا بہت بُری بات ہے، کسی نے کسی گناہ سے توبہ کرلیا پھر اُس کو اس کے سابقہ گناہ کے سبب عار دلانا غلط اور گناہ ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ مسلمان کو کتّا، گدھا وغیرہ کہنا اس میں داخل ہے یعنی نہیں کہنا چاہئے، کسی مسلمان کو ایسے کسی بھی نام سے پکارنا غلط ہے جسے سنکر اسے

تکلیف پہنچے مثلاً اندھا، بہرا، لنگڑا وغیرہ نہیں کہنا چاہئے۔

قرآن مقدس میں فرمایا:-

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُواْ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو بہت گمانو سے بچو، بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے، اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کریگا تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔
(سورۃ الحجرات ۴۹ آیت نمبر ۱۲)

مردار بھائی کا گوشت کھانا

قرآن نے غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا بتایا، گویا کہ غیبت بہت بُری بلا ہے، اس کا وبال بہت بڑا اور عذاب نہایت درجہ سخت ہے، غیبت کرنے اور عیب ڈھونڈنے اور اپنے مؤمن بھائیوں کے بارے میں بُرا گمان کرنے سے منع کیا گیا اور گناہ بتایا گیا۔

غیبت کرنے والے پر توبہ لازم ہے

غیبت گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، کسی کی پیٹھ پیچھے ایسی بات بیان کرنا کہ اگر وہ سنے تو اُسے تکلیف ہو اور بُرا گمان کرے اسے غیبت کہتے ہیں۔ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی بُرائی کی ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔

غیبت اور بہتان میں فرق

کسی کی غیر موجودگی میں کوئی ایسی بات اس کے متعلق بیان کرنا جو اس میں ہو اور وہ سنے تو اُسے ناگوار

گذرے اس کا نام غیبت ہے۔ اور اپنی طرف سے کسی بات کو کسی کی جانب منسوب کرنا حالانکہ وہ چیز اس میں نہ ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں۔

قرآن مقدس نے غیبت کرنے کو مردار کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ باعزت اور شریف آدمی کے لئے اس کی عزت اور منزلت اپنے جسم کے گوشت سے زیادہ پیاری ہوتی ہے، جس طرح آدمی کے جسم سے گوشت کاٹا جائے تو اسے شدید درد کا احساس ہوگا بلاشبہ کسی کا عیب بیان کرنا گوشت کاٹنے ہی کی طرح تکلیف کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ ستار ہے، عیوب اور گناہ کو چھپاتا ہے، اگر وہ چاہے تو سب کے عیوب ظاہر فرمادے اور رسوا و ذلیل فرمادے لیکن یہ اُس کی شان کریمی ورحیمی کے خلاف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پیدا کرنے والے خالق ومالک کی سنت کو ادا کریں اور اپنے بھائیوں کے عیوب کی پردہ پوشی کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے:- اَنّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، مَاالْغِیْبَةُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللہ علیہ وَسَلَّمَ : اَنْ تَذْکُرَ مِنَ الْمَرْءِ مایَکْرَہُ اَنْ یَسْمَعَ، قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، وَاِنْ کَانَ حَقًّا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : إِذَا قُلْتَ بَاطِلاً فَذٰلِکَ الْبُھْتَانُ. حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطب مخزومی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا غیبت کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی کے بارے میں ایسی بات کہو کہ اس کا سننا اُسے ناپسند ہو، اس نے عرض کی یارسول اللہ اگر چہ وہ سچی بات ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم نے غلط بات کہی تو وہ بہتان ہے۔
(موطا امام محمد باب الغیبۃ والبھتان حدیث ۹۵۵۔)

شہرت پسند اور علانیہ گناہ کرنے والے کے گناہ کو بیان کرنا جائز ہے

قَالَ مُحَمَّدٌ : وَبِھٰذَانَا خُذُکَ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّذْکُرَ لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ الزَّلَّةَ تَکُوْنُ مِنْہُ مِمَّا یَکْرَہُ، فَاَمَّا صَاحِبُ الْھَوٰی الْمُتَعَالِنُ بِھَوَاہُ الْمُتَعَرِّفِ بِہٖ، وَالْفَاسِقُ الْمُتَعَالِنُ بِفِسْقِہٖ فَلَا بَاسَ، اَنْ تَذْکُرَ ھٰذَیْنِ بِفِعْلِھِمَا فَاِذَاذَکَرْتَ مِنَ الْمُسْلِمِ مَالَیْسَ فِیْہِ فَھُوَ الْبُھْتَانُ وَھُوَ الْکِذْبُ.

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہم عمل کرتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی ایسی لغزش بیان کرنا جائز نہیں جو اُس کو ناپسند ہو، لیکن صاحب ہویٰ جو خواہشات کا غلام ہو اور اپنی خواہشات کی وجہ سے شہرت کا طالب ہو اور فاسق جو علانیہ بدکاری کرتا ہو تو ان دونوں کے کرتوت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر آپ کسی مسلمان کے متعلق ایسی بات کریں جو اس میں نہیں پائی جاتی تو یہ بہتان اور جھوٹ ہے۔(موطاء امام محمد باب الغیبۃ والبھتان)

حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَتَرْغَبُوْنَ عَنْ ذِکْرِ الْفَاجِرِ مَتیٰ یَعْرِفُهُ النَّاسُ اُذْکُرُوْ الْفَاجَرَ بِمَا فِیْهِ یَحْذُرُهُ النَّاسُ ، کیا تم لوگ فاجر کو بُرا کہنے سے پرہیز کرتے ہو؟ آخر لوگ اُسے کیسے پہچانیں گے، فاجر کی بُرائیاں بیان کروتا کہ لوگ اس سے بچیں۔(انوار الحدیث ۴۱۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ برملا گناہ کرتے ہیں اور بُرائیوں میں ملوث رہتے ہیں اُن کی بُرائیوں کو بیان کرنا جائز ہے اس نیت سے تاکہ لوگ اس سے دور رہیں اس لیے کہ بُرے کی صحبت بُرا اثر ڈالتی ہے۔

یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ بُرے کو بُرا نہ کہو یہ غلط ہے، بُرے کو بُرا جاننا چاہئے اور دوسروں کو اُن کی بُرائی سے بچانے کے لئے بیان بھی کرنا چاہیے۔

دیوبندی وہابی اپنی بدمذہبیت پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو وہابی بنانے کے لیے اس طرح کا بہانہ بناتے ہیں تاکہ لوگ ان کی سازش کو نہ سمجھ سکیں اور بدمذہبی کے شکار ہو جائیں، قادیانی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعتی، مودودی کلمہ اور نماز اور اتحاد امت کا بہانہ بنا کر سنیوں کو ورغلاتے ہیں اور اس طرح گمراہ کر دیتے ہیں، اگر وہ یہ کہیں کہ ہم وہابی ہیں اور آپ لوگوں کو وہابی یا قادیانی بنانے آئے ہیں تو ظاہر ہے کوئی اُن کی بات نہ سُنے گا بلکہ اُن کے لائق خاطر تواضع کر کے بھگا دیگا۔

جو جیسا ہے اس کو ویسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ورنہ چور کو چور نہ کہا جائے۔ بے نمازی کو بے نمازی نہ کہا جائے، کافر ومشرک کو کافر ومشرک نہ کہا جائے حالانکہ قرآن نے کافر کو کافر، مشرک کو مشرک اور چور کو چور اور منافق کو منافق کہا ہے۔

غیبت زنا سے بدتر ہے

حضور نے فرمایا اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا۔ غیبت زنا سے بھی خراب ہے، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! غیبت زنا سے کیونکر بُرا ہے تو آپ نے فرمایا آدمی زنا کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے مگر غیبت کرنے والے کو اللہ تب تک معاف نہیں فرماتا جب تک کہ جس کی غیبت کی ہے وہ نہ معاف کر دے۔(انوار الحدیث ص ۴۱۶)

چغلخور جنت میں نہیں جائے گا

حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

دوسری حدیث میں آیا کہ خدائے تعالیٰ کے بدترین بندے وہ ہیں جو لوگوں میں چغلی کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔(انوار الحدیث ص ۴۱۵۔)

چغل خور کی سزا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے معاملہ کی وجہ سے نہیں، ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا، پھر آپ نے تر شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے تو دونوں قبروں پر شاخ کو رکھ دیا، صحابۂ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا آپ نے کیوں کیا تو آپ نے فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں گی اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرما دے گا۔'' ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اسی کو روایت کیا۔''(شرح الصدور ص ۲۶۸)

نوٹ: یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ مزارات بزرگان دین اور قبور مومنین پر پھول ڈالنا جائز اور حضور کی سنت ہے، پھول بھی عذاب میں سختی سے بچنے ہی کے لئے ڈالا جاتا ہے، قبروں پر پھول ڈالنے کو ناجائز بتانا اس دور کے وہابیہ اور دیوبندیوں کا طریقہ ہے جو حدیث کے مخالف ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں تشریف لے گئے آپ نے جنتیوں اور دوزخیوں کے احوال دیکھے،غیبت کرنے والے کی حالت آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پہلوؤں سے گوشت آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا کہ یہ اُسی طرح کھا جس طرح اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھاتا تھا، مجھے بتایا گیا یہ لوگ غیبت کرنے والے اور عیب جوئی کرنے والے ہیں۔

جناب عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص رہتا تھا جس کی بہن مدینہ کے نواح میں رہتی تھی، وہ بیمار ہوگئی تو یہ شخص اس کی تیمارداری میں لگا رہا لیکن وہ مرگئی تو اس شخص نے اس کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا،آخر جب اسے دفن کرکے واپس آیا تو اُسے یاد آیا کہ وہ رقم کی ایک تھیلی قبر میں بھول آیا ہے۔'' اس نے اپنے ایک دوست سے مدد طلب کی، دونوں نے جاکر اس کی قبر کھود کر تھیلی نکال لی۔تو اس نے دوست سے کہا ذرا ہٹنا میں دیکھوں تو سہی میری بہن کس حال میں ہے؟اس نے لحد میں جھانک کر دیکھا تو وہ آگ میں بھڑک رہی تھی وہ واپس آکر اپنی ماں سے دریافت کیا کہ بہن کے اندر کیا کوئی خراب عادت تھی؟ تو ماں نے بتایا کہ وہ ہمسایوں کے دروازوں سے کان لگا کر ان کی باتیں سنتی تھی اور چغلخوری کیا کرتی تھی۔(مکاشفۃ القلوب ص ۱۳۵)

حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو غیبت سے بچاؤ کیوں کہ اس میں تین مصیبتیں ہیں، غیبت کرنے والے کی دعاء قبول نہیں ہوتی، اس کی نیکیاں نامقبول ہوتی ہیں، اور اس پر گناہوں کی یورش ہوتی ہے۔(مکاشفۃ القلوب ص ۱۳۴)

دوسری حدیث میں آیا حضور فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بدترین آدمی دو چہروں والا چغلخور ہوگا جو آپ کے پاس اور چہرہ لے کر آتا ہے، دوسرے کے پاس اور چہرہ لے کر جاتا ہے، اور فرمایا جو دنیا میں چغلخوری کرتا ہے قیامت کے دن اس کے منہ سے آگ کی دوزبانیں نظر آئیں گی۔(مکاشفۃ القلوب ص ۱۳۴)

حضور نے فرمایا چغلخور جنت میں نہیں جائیگا۔(مکاشفۃ القلوب ص ۱۳۵)

غیبت کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا کتنی سخت اور اس کا وبال کتنا بُرا ہے مذکورہ احادیث اور واقعات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کو اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہئے اور اپنے مومن بھائیوں اور بہنوں کی عیب جوئی، غیبت، تحقیر وتذلیل اور مذاق اڑانے سے بچنا چاہئے۔

حیاء ایک فطری جوہر ہے

حیاء ایک اخلاقی وصف اور فطری جوہر ہے جو ہر انسان کے اندر قدرتی طور پر پایا جاتا ہے، اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت سے حیاء میں اضافہ ہوتا ہے۔ حیاء انسان کو بُرائیوں سے روکتی ہے اور غیروں کے حقوق کی محافظت کی دعوت دیتی ہے نیز غیر اخلاقی اور ناپسندیدہ افعال کے خلاف فطرت سلیمہ کو بیدار کرتی ہے۔ لغت میں حیاء کا معنی شرم، لحاظ، حجاب ہے اور بغیر ہمزہ کے حیا کا معنی بارش ہوتا ہے۔

علامہ قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں فرماتے ہیں، حیاء ایسی رقت کا نام ہے جو انسان کے چہرے پر اس وقت طاری ہوتی ہے، جب کوئی ایسا فعل واقع ہو جس کی کراہیت متوقع ہو یا جس فعل کے کرنے سے اُس کا نہ کرنا بہتر ہو اور جس قول یا فعل سے انسانی طبیعت ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہو اس سے اعراض کرنے کو چشم پوشی کہتے ہیں۔

فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ باحیاء اور اُن چیزوں سے نظر کو روکنے والے تھے جن کا چھپانا واجب ہے، حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری پردہ دار لڑکیوں سے بھی حیاء میں بڑھے ہوئے تھے، جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو ناپسندیدگی کے آثار چہرۂ انور سے پہچانے جاسکتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء اور لحاظ کا ذکر اللہ نے بایں طور قرآن میں فرمایا:

اِنَّ ذَالِکُمْ کَانَ یُؤْذِیُ النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیِ مِنْکُمْ وَاللّٰہُ لاَ یَسْتَحْیِ مِنَ الحَقِّ۔

بے شک اسمیں نبی کو تکلیف پہنچتی وہ تمہارا لحاظ فرماتے اور اللہ حق بات بیان کرنے میں نہیں شرماتا۔ (الاحزاب آیت ۵۳ پ ۲۲۔)

نابینا صحابی: حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما حضور کی خدمت میں حاضر تھیں کہ حضرت عبداللہ بن مکتوم حاضر بارگاہ رسالت پناہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن مکتوم نابینا تھے، حضور نے آپ کو دیکھ کر ازواج مطہرات سے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو نابینا ہیں ہم کو نہیں دیکھ سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ نابینا ہیں تم تو نابینا نہیں ہو، کیا تم بھی اُنھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

فاطمہ زہرا کی حیاء: حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، تمام صحابہ کو مخاطب فرما کر حضور نے پوچھا بتاؤ عورت کے لئے کون سی بات سب سے بہتر ہے، اس پر تمام صحابہ خاموش رہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر فاطمہ سے دریافت کیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر کیا بات ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہ وہ غیر مردوں کو دیکھیں نہ غیر مرد انہیں دیکھیں۔ مولیٰ علی نے یہ جواب حضور سے عرض کیا، یہ جواب سن کر حضور بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا کیوں نہ ہو وہ میری لخت جگر ہیں۔ (سُنّی بہشتی زیور ص ۹۷)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سنکر سمجھ لیا کہ یہ جواب میری بیٹی فاطمہ زہرا کا ہے۔

حیاء انسانی فطرت کا تقاضہ ہے مردوں اور عورتوں دونوں میں یہ بات فطری طور پر موجود ہوتی ہے، غلط صحبت کے سبب انسان بے حیائی اور بے شرمی کا شکار ہوتا ہے، مردوں کے مقابلہ عورتوں میں حیاء زیادہ ہوتی ہے۔ حیاء ایمان کا ایک اہم باب ہے، جس کا اخلاق جتنا بلند ہوگا اس کے اندر اسی قدر حیاء زیادہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلْقاً، وَخُلْقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ،** بے شک ہر دین کا خُلق ہے اور اسلام کا خُلق حیاء ہے (موطا امام محمد) دوسری حدیث میں ہے **اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ عَلَی رَجُلٍ یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیاَءِ، فقال رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ**

وسلم دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیاءَ مِنَ الایْماَنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک شخص سے گذرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کرر ہا تھا۔آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے
(نزھة القاری جلداول حدیث نمبر۲۳،موطاامام محمد، بہارِشریعت حصہ۱۶۔)

حیاءاورایمان دونوں ساتھی ہیں: ایک روایت میں اس طرح آیا اِنَّ الْحَیاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَناَءُ جَمِیْعاً فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُماَ رُفِعَ الْاٰخَرُ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ نبی اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان اور حیاء دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں تو جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جاتا ہے (انوارالحدیث ص۴۴۹)

دوسری روایت حضرت ابوھریرہ سے مروی ہے اَلْحَیاءُ مِنَ الاِیمَانِ والایمانُ فی الجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفاءِ وَالْجَفا ءُ فِی النَّارِ یعنی آقائے نامدار مدنی تاجدار علیہ السلام فرماتے ہیں حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان والا جنت میں جائیگا اور بے حیائی وفحش گوئی بُرائی کا حصہ ہے اور بُرائی والا دوزخ میں جائیگا (انوارالحدیث ص۴۴۸)۔

اسی میں عمران بن حصین سے ہے اَلْحَیاءُ خَیْرٌ کُلُّه ،یعنی حیاء کی ساری قسمیں بہتر ہیں۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام محاسن اور خوبیوں کے جامع تھے بلکہ حسن وقبح کا معیار آپ کی سیرت طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے،جس چیز کو آپ نے اختیار فرمایا فی الحقیقت وہ چیز اچھی تھی اور جسے آپ نے ناپسند فرمایا وہ بات اپنی اصل کے اعتبار سے مکروہ وناپسندیدہ تھی۔حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی بیہودہ الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے نہ تکلف فرماتے نہ بازاروں میں چلاّتے نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے بلکہ معاف فرمادیتے اور درگذر سے کام لیتے،حضرت صدیقہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ شرم وحیاء کے باعث کسی کے چہرے پر نگاہیں نہیں جماتے تھے۔(شفا شریف علامہ قاضی عیاض مالکی)

آپ یہ بھی فرماتی تھیں کہ کمال حیاء کے سبب کبھی بھی حضور کو میں نے برہنہ نہیں دیکھا۔(سیرۃ المصطفیٰ ص۴۵۸ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی)

علامہ عالم فقری نے اپنی کتاب میں یہ روایت ترمذی شریف کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہوتی کسی چیز میں بے حیائی مگر اسے داغدار کردیتی ہے اور نہیں ہوتی کسی چیز میں حیاء مگر اسے زینت بخشتی ہے۔(اخلاق محسنہ) یعنی حیاء انسان کے لئے زینت ہے اور بے حیائی داغدار اور بے آبرو کرنے والا عمل ہے۔

ابن ماجہ میں ہے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ فحش گوئی ہر چیز کو عیب دار بنادیتی ہے اور حیاء ہر چیز کو خوبصورت بناتی ہے۔(حوالہ سابق)

اسی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ میں نے کبھی حضور اقدس کو کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ حلق مبارک بھی نظر آنے لگتا آپ صرف تبسم فرماتے تھے۔اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایک دن صحابہ سے فرمایا کہ خدا سے ایسی شرم کرو جیسا کہ شرمانے کا حق ہے،صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم خدا سے حیاء کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ نہیں بلکہ حیاء وہ کرتا ہے جو سر اور آنکھ وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے اور موت کو اور گلنے سڑنے کو یاد کرتا ہے اور آخرت کا چاہنے والا دنیا کی زیب وزینت کو چھوڑ دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے خدا سے شرمانے کا حق ادا کردیا۔

بے حیائی کا اثر: اللہ رب العزت جب کسی کو برباد کرنا چاہتا ہے تو اُس سے شرم وحیاء ختم ہوجاتی ہے اور اس پر خدا کا غضب مسلط ہوجاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں بہت ہی معیوب اور قبیح شمار کیا جاتا ہے۔

اخلاق کی خوبیاں: حضرت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ دس باتیں اخلاق کی خوبیوں میں سے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، ہوسکتا ہے کہ آدمی میں ہوں وراس کے باپ میں نہ ہوں،غلام میں ہوں آقا میں نہ ہوں، وہ دس خوبیاں یہ ہیں سچ بولنا،سچائی پر قائم رہنا، مانگنے والے کو عطا کرنا،سلوکوں کا مکافات کرنا، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا، امانت کی حفاظت کرنا، پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت کرنا، ہم صحبت کا پاس ولحاظ، مہمان کی دعوت وضیافت اور جو سب کی اصل ہے وہ حیاء ہے۔

ابن عطاء کا قول ہے ہیبت اور حیاء سب سے بڑا علم ہے جب ہیبت اور حیاء جاتی رہے تو پھر کوئی بھلائی باقی نہیں رہتی۔ حیاء اور انس دل پر دستک دیتے رہتے ہیں اگر اس میں زہد و ورع ہے تو وہیں رُک جاتے ہیں ورنہ نکل جاتے ہیں۔

حیاء کی نشانیاں: حیاء کی نشانی یہ ہے کہ دل قابو میں رہے، دیدار پروردگار کی عظمت ہو، کہنے سے پہلے بات کو سمجھ لیا جائے، آنکھ، کان، پیٹ اور شرمگاہ کی حفاظت کرے، حیات دنیا کی آرائش چھوڑ دی جائے اور قبرستان اور مردوں کو یاد کرے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، محبت گویا بناتی ہے، حیاء خاموش کرتی ہے اور خوف بے چین کرتا ہے۔

حضرت سلیمان دُرّانی نے عالم روحانیت میں اللہ کو فرماتے سنا کہ اے میرے بندے جب تک تو مجھ سے حیاء کرتا رہیگا میں تمہارے عیوب کو لوگوں سے بھلا دوں گا اور زمین کے ہر حصے سے تمہارے گناہوں کو ختم کر دونگا اور لوح محفوظ سے تمہاری لغزشیں مٹا دوں گا اور قیامت کے دن حساب کرنے میں تم سے سختی نہیں کروں گا، (ماخوذ از اخلاقِ محسنہ)

شرم وحیاء ایک اچھے اور کامل انسان کی خوبی اور زینت ہیں، حیاء انبیائے کرام کے اوصاف اور نیک لوگوں کے محاسن سے ہے، حیاء کا مادّہ جس کے اندر جتنا زیادہ ہوگا اُسی قدر اُسمیں خوبیاں ہوں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء ومرسلین اور نیک لوگوں کے خصائل میں بھی حیاء کا تذکرہ ملتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حیاء کا ذکر وارد ہوا ہے۔ فَجَاءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَاءٍ تو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی۔ (القصص آیت ۲۵ پ ۲۰)

واقعہ اس طرح ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کر لیا تو آل فرعون

میں سے ایک شخص جو دل سے مسلمان ہو چکا تھا خفیہ طور پر اس نے فرعون کے فیصلے کی خبر حضرت موسیٰ کو دی، حضرت موسیٰ مصر سے مدین کی طرف اللہ کے حکم سے چل پڑے اس سے پہلے نہ آپ نے مدین کو دیکھا تھا نہ راستہ معلوم تھا نہ آپ کے پاس زادِ سفر تھا، اللہ کی مرضی اور ذات پر بھروسہ کرکے مدین کی طرف چل پڑے مصر سے مدین کو جانے والے تین راستوں میں سے آپ درمیانی راہ پر چلے آپ کی رہنمائی حضرت جبرئیل فرما رہے تھے، فرعونی آپ کی تلاش میں نکلے لیکن وہ آپ کو نہیں پا سکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام درخت کی پتیوں پر گذارا کرتے سات دن کا سفر طے کرکے مدین کے ایک کنویں پر پہنچے جہاں لوگوں کی بھیڑ جمع تھی، لوگ کنویں سے اپنے جانوروں کو سیراب کر رہے تھے، آپ کی نظر دو عورتوں پر پڑی وہ اپنی بکریوں کو کنارے روک کر کھڑی تھیں، آپ نے پوچھا کہ تم دونوں کنارے پر کیوں کھڑی ہو تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں، ہم خود پانی نہیں نکال سکتیں، اس لیے ایک طرف کھڑی رہتی ہیں کہ جب سب لوگ اپنے جانوروں کو سیراب کر کے چلے جائیں تو جو پانی حوض میں بچے گا اسے ہم اپنے جانوروں کو پلا لیں گے۔ حضرت موسیٰ اللہ کے پیغمبر ہیں آپ کو رحم آیا آپ نے لوگوں سے کہا اے لوگو ان پر ترس کھاؤ اور ان کی بکریوں کو سیراب کر دو لیکن انہوں نے کہا کہ اگر تم اتنے ہمدرد ہو تو خود ہی پلا دو، کنواں سخت تپتی ہوئی دھوپ میں تھا، کنواں کے منہ پر ایک بڑا وزنی پتھر تھا جسے دس آدمی مل کر ہٹاتے اور رکھتے تھے، اور دس آدمی مل کر ڈول کھینچتے تھے، اُن لوگوں نے اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنواں کا منہ بند کر دیا، باوجودیکہ حضرت موسیٰ سات دن سے کچھ کھائے نہیں تھے آپ نے اکیلے کنواں کے منہ سے پتھر کو ہٹایا اور اکیلے ڈول کھینچا اور ان عورتوں کی بکریوں کو پانی دیا ایک ہی ڈول سے بکریاں سیراب ہو گئیں، اس لئے کہ حضرت موسیٰ نے برکت کی دعاء فرمائی تھی، وہ دونوں عورتیں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں جب حضرت شعیب کو اس نوجوان کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے جان لیا کہ یہ حضرت موسیٰ ہیں ممکن ہے حضرت شعیب کو اللہ نے بذریعہ وحی مطلع کر دیا ہو، حضرت شعیب نے اپنی ایک بیٹی کو حکم دیا کہ جا کر اس مرد صالح کو بلا لاؤ، پیغمبر کی بیٹی کے حضرت موسیٰ کے پاس آنے کی کیفیت کو قرآن نے بیان کیا کہ ان دونوں میں سے ایک

آپ کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شرم وحیاء کا حکم کوئی نیا حکم نہیں بلکہ ہمیشہ سے حیا نیک لوگوں اور شریف خاندانوں کی پہچان رہی ہے۔ اس لڑکی نے کہا کہ چلو تمہارے عمل کا صلہ دینے کے لئے ہمارے باپ نے بلایا ہے تو آپ صلہ لینے کی غرض سے نہیں بلکہ ان شریف اور حیاء دار بیٹیوں کے نیک اور صالح باپ کی زیارت کی غرض سے گئے۔ با حیاء لڑکیوں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ عام گھروں کی بیٹیاں نہیں ہو سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اس بیٹی سے جو بُلانے آئی تھی فرمایا کہ تم میرے پیچھے چلو اور راستہ بتاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکی کو پیچھے چلنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ اس پہ نظر نہ پڑے۔ حضرت موسیٰ نے ایسا حیاء کی وجہ سے کیا (تذکرۃ الانبیاء ص ۳۰۵/۳۰۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیاء پاکیزگی نفس اور صفائے قلب کی علامت ہے اور پیغمبروں کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے مقابل سب سے زیادہ حیاء اور شرم والے ہوتے ہیں، بے حیائی اور بے شرمی تمام برائیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ ہے، اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ اپنی نگاہ اور دل کی حفاظت کرے، پہلے انسان کی نظر بہکتی ہے پھر دل پھر شرمگاہ، نظریں جھکائے رکھنا یہ اہلِ تقویٰ کی شان ہے، اِدھر اُدھر تاکنا، جھانکنا، آوارہ و اوباش لوگوں کا شیوہ ہے۔

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ یہ اگلے انبیاء کا کلام ہے جو لوگوں میں مشہور ہے جب تجھے حیاء نہیں تو جو چاہے کر۔ (بہارِ شریعت حصہ ۱۶)۔

اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حیاء انسان کو اچھائی کی طرف بلاتی ہے اور برائی و بے حیائی سے روکتی ہے۔ جس کے اندر حیاء ہوگی وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کریگا، کسی کا حق غصب نہیں کریگا، کسی کی آبرو اور عزت کو نہیں اچھالے گا۔ اپنے مؤمن بھائی کے عیوب کو دوسروں پر ظاہر نہیں کریگا۔ جب بھی اس کا قدم غلط راہ پہ چلے گا یا غلطی کا ارادہ کریگا شرم وندامت دامن گیر ہوگی۔

حیاء دار سے جب کوئی خطا سرزد ہوتی ہے تو وہ نادم اور شرمسار ہوتا ہے وہ گناہ کو چھپاتا ہے لیکن بے حیاء جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو بے حیائی کے سبب وہ اپنے گناہ پہ فخر کرتا ہے، عذر اور بہانے

بناتا ہے۔ جس شخص کے اندر حیاء نہیں ہوگی اس کے اندر ایمان کی خوشبو بھی نہیں ہوگی اس لئے کہ حدیث میں فرمانے کے مطابق حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں۔ جہاں حیاء ہوگی وہاں ایمان ہوگا اور جہاں ایمان ہوگا وہاں حیاء ہوگی۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ سیدۃ نساء العلمین، جان رحمۃ للعلمین سیدہ فاطمہ زہرہ بنت رسول اللہ ﷺ کی حیاء مشہور ومعروف ہے۔ پوری زندگی غیر محرم پر نظر نہ پڑی نہ کسی نے آپ کو دیکھا، حتیٰ کہ جب وصال مبارک ہوا تو آپ کی حیاء کے سبب آپ کا جنازہ رات میں اٹھایا گیا تا کہ آپ کے جنازے پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مطہر پہ اپنی رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین۔

مصادر ومراجع

۱۔ قرآن کریم

۲۔ کنزالایمان — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

۳۔ خزائن العرفان — مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی

۴۔ تفسیر ابن کثیر مترجم — حافظ امام الدین ابن کثیر

۵۔ تفسیر نعیمی — مفتی احمد یار خاں نعیمی

۶۔ تفسیر تبیان القرآن — مولانا غلام رسول سعیدی

۷۔ مسند امام اعظم — امام اعظم ابوحنیفہ

۸۔ نزہۃ القاری — مفتی محمد شریف الحق امجدی

۹۔ سنن ابن ماجہ — حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید ترجمہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری

۱۰۔ سنن ابی داؤد — امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ترجمہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری

۱۱۔ شرح صحیح مسلم — مولانا غلام رسول سعیدی

۱۲۔ جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البھاری — ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری

۱۳۔ موطا امام محمد مترجم — امام محمد بن حسن شیبانی ترجمہ علامہ نورالحسن چشتی

۱۴۔ موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف — ابوھاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول

۱۵۔ مرأۃ المناجیح — مفتی احمد یار خاں نعیمی

۱۶۔ شفاء شریف — قاضی عیاض مالکی

۱۷۔ انوار الحدیث — مفتی جلال الدین احمد امجدی

۱۸۔ فتاویٰ رضویہ — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

۱۹۔ فتاویٰ مصطفویہ — مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی

۲۰۔ فتاویٰ برکاتیہ — فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

۲۱۔ الملفوظ — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

۲۲۔ مشعلۃ الارشاد الیٰ حقوق الاولاد — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

۲۳۔ بہار شریعت — صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی

۲۴۔ قانون شریعت — مفتی شمس الدین رضوی جونپوری

۲۵۔ کتاب الحج — مولانا فیضان المصطفےٰ قادری

۲۶۔ اصلاح فکر واعتقاد — سید محمد علوی مالکی ترجمہ مولانا یٰسین اختر مصباحی

۲۷۔ فضائل قرآن — مولانا افتخار احمد قادری

۲۸۔ تفہیم الفرائض — ڈاکٹر عاصم اعظمی

۲۹۔ غنیۃ الطالبین — غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی

۳۰۔ مکاشفۃ القلوب — امام محمد غزالی

۳۱۔ تذکرۃ الاولیاء — شیخ فریدالدین عطار

۳۲۔ زینۃ المحافل ترجمہ نزھۃ المجالس — امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری

۳۳۔ جذب القلوب — شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۳۴۔ شرح الصدور — علامہ جلال الدین سیوطی

۳۵۔ فوائد سعدیہ — مخدوم شیخ سعدالدین خیرآبادی

۳۶۔ سبع سنابل — میر عبدالواحد بلگرامی

۳۷۔ سلک السلوک — خواجہ ضیاء الدین نخشبی ترجمہ مفتی شمشاد حسین رضوی

۳۸۔ اخلاق محسنہ — علامہ عالم فقری
۳۹۔ کشف القلوب — سید جیلانی اشرف کچھوچھوی
۴۰۔ تذکرۃ الانبیاء — مولانا عبدالرزاق بھترالوی
۴۱۔ سیرۃ المصطفیٰ — علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی
۴۲۔ سنی بہشتی زیور — مفتی خلیل خاں برکاتی
۴۳۔ الرحیق المختوم — (مولانا) صفی الرحمٰن مبارکپوری
۴۴۔ خلفائے راشدین — (مولانا) عبدالشکور کاکوروی
۴۵۔ مدینہ منورہ ماضی وحال کے آئینہ میں — استاذ احمد محمد شعبان
۴۶۔ نشر الطیب — مولانا اشرف علی تھانوی
۴۷۔ شاہنامہ اسلام اردو
۴۸۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم — محمد سعید اللّحام
۴۹۔ مختار الصحاح
۵۰۔ المعجم الوسیط
۵۱۔ مصباح اللغات
۵۲۔ فیروز اللغات
۵۳۔ ماہنامہ کنز الایمان نومبر ۲۰۰۳ء — دہلی